وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ

وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۱۹ شمارہ نمبر ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ دسمبر ۲۰۲۱ء

بیاد

شمس العلماء

حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام

حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین

حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین

حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم

سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485

Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان

شائع کردہ: مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

وفاق المدارس اور اکابر علماء دیوبند کا مزاج ومسلک	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم	۳
صبر وثبات، رِباط اور تقویٰ کی اہمیت	محمد اَحمد حافظ	۸
سنن ابی داود کی کتاب الادب.....	مولانا محمد طاہر سورتی	۱۳
حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ	مولانا بدر الحسن القاسمی	۱۷
نماز میں دو سجدوں کی اصل اور حکمت	مولانا ابوالخیر عارف محمود	۲۸
نظام مساجد اور ہماری ذمہ داریاں	مولانا مفتی امانت علی قاسمی	۳۱
دینی مدارس کا تہذیبی کردار	ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن	۳۵
سائنسی تحقیق، عصری علوم اور دینی مدارس (۱)	جناب مبشر حسین رحمانی	۴۰
نامور محدث علامہ رضی الدین حسن صغانی لاہوریؒ	جناب حافظ اشرف علی	۴۸
وفیات	ادارہ	۵۱
ایک علم دوست شخصیت مولانا فیض الرحمٰن عثمانیؒ	صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی	۵۲
	مولانا مفتی سراج الحسن	۵۸
تبصرہ کتب	محمد اَحمد حافظ	۶۲

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 30 روپے، زر سالانہ مع ڈاک خرچ: 360 روپے

وفاق المدارس اور اکابر علماء دیوبند کا مزاج ومسلک

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

ضبط وتحریر: مولانا مفتی سراج الحسن

۲ رنومبر ۲۰۲۱ء کو صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ وفاق المدارس العربیہ کے زیر اہتمام ''خدمات دینی مدارس کنونشن'' بابت تقسیم انعامات پوزیشن ہولڈر طلبہ وطالبات (۱۴۴۱ھ،۴۲ھ) جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ درویش مسجد پشاور صدر تشریف لائے، اور فکر افروز خطاب فرمایا جسے افادہ عام کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔

خطبہ مسنونہ کے بعد۔

وفاق المدارس العربیہ کی عظیم ذمہ داری:

میں آج اس اجتماع سے مخاطب ہوں جسے اگر صوبہ خیبر پختونخوا کے علمی اور دینی اعتبار سے کریم (Cream) کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔ مدارس دینیہ کے قابل قدر مہتممین، اساتذہ کرام اور بہت سے شیوخ الحدیث کی مجھے زیارت کا شرف حاصل ہورہا ہے اور اس حیثیت سے حاصل ہورہا ہے کہ انہوں نے مجھے اپنا خادم منتخب فرمایا۔ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا بہت شکر گزار ہوں کہ اس خدمت کے لیے انہوں نے میرا نام پیش کیا، حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو اس عظیم خدمت کا اہل نہیں سمجھتا، لیکن بزرگوں کا یہ کہنا ہے کہ اگر کوئی خدمت اپنی طلب کے بغیر بڑوں کی طرف سے سپرد کی جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے دستگیری سے نوازتے ہیں؛ لہذا اسی امید پر میں نے یہ خدمت قبول کی ہے اور آپ حضرات سے دعاؤں کا خواستگار ہوں کہ جن اکابر نے ہمارے لیے وفاق المدارس کی شکل میں یہ عظیم سائبان مہیا فرمایا ہے اس کی حفاظت، اس کی خودداری اور خودمختاری اور اس کے معیار کی حفاظت کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور مجھے رفقاء کو توفیق خاص سے نوازیں۔ اپنے رضائے کامل کے مطابق مجھے خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ میں آپ سب سے فرداً فرداً اس دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھ ناکارہ کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد فرمائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں تنہا اس بھاری ذمہ داری کو ہرگز انجام نہیں دے سکتا جب تک کہ اہل اور قابل رجال کار اور معاونین مہیا نہ ہوں۔ تو میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وفاق کو ایک ایسا ناظم

اعلیٰ عطا فرمایا جس نے اپنی جوانی کا سارا زمانہ اکابر کے سائے میں رہ کر اس وفاق کی خدمت میں صرف کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہی ناظم اعلیٰ میری رفاقت کے لیے بھی عطا فرمایا۔

رفقائے وفاق المدارس کا ذکر خیر:

تیسری بات یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے یہ شرف بخشا کہ میں نے جن حضرات کو اپنی سرپرستی کی درخواست کی انہوں نے میری اس درخواست کو محض اپنی شفقت کی بنا پر قبول فرمایا۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے ہم نے درخواست کی کہ وہ وفاق المدارس کی سرپرستی قبول فرمائیں انہوں نے اپنے اخلاقِ کریمانہ سے اس سرپرستی کو قبول فرمایا میں تہہ دل سے ان کا شکر گزار ہوں۔ اسی طرح حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور جو وفاق کے ان افراد میں سے ہیں جن کے سائے میں الحمدللہ وفاق نے ترقی کی ہے ان سے گزارش کی گئی؛ انہوں نے بھی قبول فرمایا اور حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ جن کا فیض الحمدللہ روز بروز دنیا میں پھیل رہا ہے، ان سے درخواست کی انہوں نے بھی قبول فرمایا۔ حضرت مولانا سید عبدالستار شاہ صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم رحیمیہ کوئٹہ نے بھی سرپرستی قبول فرمائی۔ اسی طرح حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ جو میرے بڑے بھائی ہیں اگرچہ اس وقت وہ صاحب فراش ہیں، لیکن ہم نے ان بھی درخواست کی تھی کہ وہ سرپرستی قبول فرمائیں تو الحمدللہ انہوں نے بھی قبول فرمائی اور باوجود صاحب فراش ہونے کے ان کی توجہات اور ان کی دعائیں اس وقت وفاق پر مرکوز ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

پھر شوریٰ اور مجلسِ عمومی کے اجلاس میں طے ہوا کہ دو کی بجائے چار نائب صدور ہوں گے تو ایک حضرت مولانا انوار الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ سینئر نائب صدر کے طور پر پہلے ہی سے قبول فرما چکے ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا سید سلیمان بنوری صاحب، حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب اور حضرت مولانا سعید یوسف صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے یہ خدمت قبول فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اسی طرح اراکین عاملہ کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے ہماری درخواست قبول فرمائی۔ ساتھ ساتھ میں آپ تمام حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس موقع پر وفاق کی دعوت قبول کی اور آج ان کا بہترین نمائندہ اجتماع میرے سامنے موجود ہے اور اسے دیکھ کر میں اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر رہا ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سب کو دنیا وآخرت میں بہترین جزا عطا فرمائے۔

اس موقع پر جو باتیں کچھ عرض کرنے کا ارادہ تھا ان میں سے بہت سی باتیں مجھ سے پہلے حضرت مولانا سعید یوسف صاحب اور دوسرے بزرگوں نے اور پھر آخر میں ناظم اعلی وفاق حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے آپ حضرات سے تفصیل سے بیان کی ہیں اور مجھے اس بات کا احساس ہے کہ آپ صبح نو بجے سے بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے صبر اور ضبط کا مزید امتحان لینا شاید مناسب نہیں ہے اس لیے میں اپنی بات کو مختصر کرتے ہوئے صرف ایک نکتہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اسے ہم سب کے لیے نافع بنادے۔

ہم اکابر کے نقش قدم پر چلنے کے خواہش مند ہیں:

وہ نکتہ یہ ہے کہ ہمارے مدارس جو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر نگرانی کام کر رہے ہیں ان کی تعداد بھی ناظم اعلیٰ وفاق حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب نے بتائی۔ الحمد للہ ۲۳ ہزار سے زیادہ تعداد ہے اور اس میں ۲۵ لاکھ طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ اگر ہم دیکھیں کہ ہم کہاں سے چلے تھے؟ اور کن بزرگوں سے ہمارا رشتہ ہے؟ ،کہاں سے ہمارا آغاز ہوا؟ ہمارا نقطہ آغاز کیا ہے؟ تو کوئی دوسرا جواب نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ دارالعلوم دیوبند!۔ الحمد للہ ہم سب اس سے وابستہ ہیں اور اسی کے خوشہ چین ہیں، انہی اکابر کے نقش قدم پر چلنے کے خواہش مند ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ہمارا رشتہ حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جیسے اکابرین سے قائم کیا ہے۔ ہماری جو صلاح وفلاح کا راز مضمر ہے وہ اس بات میں ہے کہ ہم ان اکابر کی طریقہ کار پر، ان کے نقش قدم پر چلیں اور ہر وقت اپنا جائزہ لیتے رہیں کہ کیا ہم ان کے جانشین یا ان کے پیروکار اور خوشہ چین ہونے کے جو دعویدار ہیں یہ دعویٰ ہمارا درست ہے یا نہیں؟، لہٰذا دارالعلوم دیوبند کی جو خصوصیت تھی جو آج کی دنیا میں کہیں اور تعلیمی اداروں میں نظر نہیں آتی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا میں گھومنے کا موقع عطا فرمایا، چھ کے چھ براعظم میں نے دیکھے، مسلمان ممالک میں سے کوئی ملک ایسا نہیں جس میں مجھے وہاں کے علمائے کرام سے براہ راست ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوا ہو، لیکن جب میں ان کا مقابلہ اور ان کا مقارنہ ان بزرگوں سے کرتا ہوں جن سے ہماری نسبتیں قائم ہیں تو مجھے ایک واضح فرق نظر آرہا ہے کہ.....اگر آپ کو علم وتحقیق چاہیے، مقالہ نگاری چاہیے تو بے شک اس کے لیے بہت سے ادارے موجود ہیں اور خود میں نے دیکھے ہیں، تاہم علم وتحقیق کے ساتھ اتباع سنت کا جذبہ اور اپنی زندگی کے ہر قول وفعل کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں گزارنے کا جو جذبہ یہاں کے بوریانشینوں میں دیکھا وہ دنیا میں کہیں نہیں دیکھا.....الا ماشاء اللہ!۔

ہمارے اکابر کا مزاج ومذاق:

میرے دادا حضرت مولانا محمد یاسین صاحبؒ جو دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے، جس سال دارالعلوم دیوبند قائم ہوا اسی سال میرے دادا کی ولادت ہوئی۔ حضرت مولانا محمد یاسین صاحب اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ہم سبق رہے۔ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ وغیرہ سے ایک ساتھ سبق پڑھا ہے۔ میرے دادا فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ وقت دیکھا ہے کہ شیخ الحدیث سے لے کر دربان اور چپڑاسی تک ہر شخص صاحب نسبت ولی اللہ ہوتا تھا۔ دربان گیٹ پر بیٹھا ہوا چوکیداری کر رہا ہے اور اس کے لطائف ستہ جاری ہیں۔ اسی لیے جب دارالعلوم دیوبند کی تاریخ نکالنے کا موقع آیا تو فارسی کا یہ جملہ اس کی تاریخ بنتا ہے ''در مدرسہ خانقاہ دیدیم'' کہ ہم نے مدرسہ میں خانقاہ دیکھی۔ اور کسی نے یہ تبصرہ کیا ہے کہ دن کے وقت جا کر دیکھو کہ یہ قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے اور پڑھانے میں مشغول ہیں؛ اور رات کے وقت جا کر دیکھو تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر گڑگڑانے میں لگے ہوتے ہیں۔ وہی بات جو حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں نصرانیوں کے ایک ایلچی نے کہی تھی جب ان سے پوچھا گیا تو اس نے کہا: ''رھبان باللیل ،رکبان بالنھار'' کہ یہ رات کے وقت میں راہب ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور دن کے وقت بہترین شہسوار ہوتے ہیں۔ تو ہماری نسبت اور نقطہ آغاز ایسے اکابر سے جڑا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ آج ہم اپنے بزرگوں کے سوانح سے بھی غافل ہوتے جارہے ہیں، میری گزارش ہے سارے اصحاب مدارس سے کہ اپنے اکابر جتنے بھی تھے حضرت نانوتویؒ سے لے کر حضرت مدنیؒ تک بلکہ بعد کے اکابر تک ان کے سوانح طلبہ کو بالاستیعاب پڑھنی چاہیے تاکہ طلبہ ومدرسین اپنے اکابر کے مزاج سے باخبر ہوں، کہ ہمارے اکابر کا مزاج کیا تھا؟ ہم نے حضرت شیخ الہندؒ کی زیارت نہیں کی، حضرت شاہ صاحبؒ کی زیارت نہیں کی، حضرت مدنیؒ کی زیارت نہیں کی، تاہم اللہ کے فضل وکرم سے ان کے براہ راست فیض یافتگان کی زیارت اپنی گناہ گار آنکھوں سے کی ہے۔ میرے والد ماجد براہ راست حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے اور پہلی بیعت ان کی حضرت شیخ الہندؒ سے تھی۔ حضرت بنوریؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگرد خاص تھے، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے حضرت مدنیؒ سے استفادہ کیا، اگرچہ فراغت کہیں اور جگہ سے حاصل کی تھی۔

میرے استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ جو حضرت مدنیؒ کے شاگرد تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی زیارت کرادی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے اور بات تو وہ حضرت تھانویؒ کی نقل کرتے تھے لیکن اپنے اوپر منطبق فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو جس طرح کے بندے مطلوب ہیں پوری کوشش کے باجود

ہم خود تو ویسے بندے بن نہ سکے لیکن ایسے بندے دیکھے ضرور ہیں اور اب کوئی بھی ہمیں دھوکا نہیں دے سکتا، کیونکہ ہم نے حقیقی آدمی دیکھے ہیں اس لیے جب ہم بننا چاہیں گے تو آدمی بن جائیں گے کیونکہ ہم نے آدمی دیکھے ہیں اور ان کی بات تو تواضعاً تھی لیکن ہمارے لیے حقیقت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے آدمی دکھا دیے۔

نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ایک آنچ بھی ہمیں منظور نہیں:

عزیزان محترم! اس موقع پر ایک بات کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم نے اکابر کا یہ مزاج، اور یہی معیار تعلیم اور عمل کو برقرار رکھا تو دنیا کی کوئی طاقت مدارس کو ختم نہیں کرسکتی۔ ہم جیسے بھی ہوں، لیکن ان بزرگوں کے ہم نے جوتے اٹھائے، ان بزرگوں کا یہ فیض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حق کے بارے میں کبھی کوئی مفاہمت نہیں ہوسکتی، اور میں نے ایک جملہ پہلے کہا تھا آج پھر دہراتا ہوں کہ ہم دشمن کسی کے نہیں اور نہ ہم مداہن ہیں، یعنی نہ کسی کے ساتھ دشمنی اور مخالفت ہے اور نہ مداہنت۔ ہمارے سامنے اگر کوئی حق سچ کی بات کرے گا تو اس کی تائید کریں گے لیکن اگر کوئی باطل پر چلنے پر مجبور کرے تو اپنی تمام تر ناتوانیوں کے باوجود مرتے دم تک اس کا مقابلہ کریں گے بشرطیکہ ہم اپنے اکابر کے مزاج اور معیار تعلیم وعمل کے مطابق اپنے مدارس چلائیں۔ آج ہمیں اپنے طرز عمل اور مدارس کے منہج کو خود تنقید کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے کہ ہم جن اکابر کا نام لے رہے ہیں ان کے طریقے پر چل رہے ہیں یا نہیں؟ اتباع سنت کا اہتمام ہے یا نہیں؟۔ مدارس میں طلبہ کو نماز باجماعت کا اہتمام کرایا جارہا ہے یا نہیں؟۔ ان کو جھوٹ، غیبت، گناہوں، بدنظری اور موبائل کے غلط استعمال سے روکا جارہا ہے یا نہیں؟ یہ چیزیں ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم ہیں۔ اگر ہم اپنے مدارس اور طلبہ میں ان چیزوں کا خیال رکھیں گے تو پھر ہمیں کسی کی پروا نہیں ہے، کوئی ہمیں شدت پسند کہے، کوئی دقیانوس کہے، کوئی ہمیں یہ کہے کہ ان کو دنیا کی خبر نہیں ہے، یہ سارے طعنے، سارے اعتراضات ہمیں منظور اور ہمارے گلے کا ہار ہیں مگر سنت کے خلاف چلنا منظور نہیں۔ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ایک آنچ بھی ہمیں منظور نہیں۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

صبر وثبات، رِباط اور تقویٰ کی اہمیت

محمد اَحمد حافظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیۡم

یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ o (آلِ عمران،۲۰۰)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم مراد کو پہنچو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

خلاصہ:... یہ سورہ آلِ عمران کی آخری آیت ہے اور ماقبل کی آیات میں اللہ کی راہ میں مہاجرت، مسافرت ،اموال کے نقصان، اور بے کسی و بے بسی کا ذکر ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بھی تذکرہ ہے، نیز اہلِ ایمان کو دنیا کی بے ثباتی باور کرا کر ان کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ یہ آخری آیت گویا پوری سورہ کا خلاصہ ہے۔

مذکورہ آیت میں اہلِ ایمان کو چار چیزوں کی وصیت کی گئی ہے:

(۱) صبر (۲) مصابرہ (۳) مرابطہ (۴) تقویٰ

زمانہ حال میں جیسے حالات چل رہے ہیں اور اہلِ ایمان جس قسم کی تکالیف اور صعوبتوں سے نبرد آزما ہیں، ان حالات کے پس منظر میں یہ آیت ہمیں ایک خاص سبق دیتی ہے۔

صبر:... آیتِ کریمہ میں پہلے نمبر پر صبر کو بیان کیا گیا ہے۔ صبر کی علماء نے تین قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) صبر علی الطاعات: یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر کی پابندی کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں کو لازم پکڑنا۔

(۲) صبر عن المعاصی: یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا ہے ان سے رک جانا، خواہ وہ نفس کو کتنی ہی مرغوب کیوں نہ ہوں۔

(۳) صبر علی المصائب: مصیبت و تکلیف پر صبر کرنا خاص طور پر جب یہ مصائب اللہ کے دین پر عمل پیرا ہونے کے بعد پیش آئیں۔ ان مصیبتوں سے گھبرا کر دامن حق نہ چھوڑنا بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ پکڑ لینا۔

مصابرت:... آیت کریمہ میں دوسری چیز مصابرت ذکر فرمائی گئی، اس کے معنیٰ ہیں دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا۔ شدائد جنگ اور زخموں سے چور ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے آخرت کے اجر کی امید رکھتے ہوئے میدانِ جہاد میں ڈٹے رہنا۔ دین کی راہ میں آنے والی تکالیف اور مصائب کو برداشت کرنا، تفسیر البحر المحیط میں ہے:

مصابرہ کے معنیٰ ہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے پورا ہونے کا انتظار کرنا۔تفسیر کبیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چوں کہ اس سورت میں کثرت سے جہاد کی ترغیب دی ہے اس لیے اس کی آخری آیت میں ''مصابرۃ'' یعنی دشمنوں سے ڈٹ کر مقابلے کا حکم دیا۔علماء کرام نے اس کی ایک اور تفسیر بیان کی ہے کہ جس طرح ہر مومن و مسلم کے ظاہری دشمن ہیں اسی طرح باطنی دشمن بھی ہیں جن میں سب سے زیادہ خطرناک دشمن انسان کا نفس ہے،تو اس سے بھی ہر وقت چوکنا اور مستعد رہنے کی ضرورت ہے'اس لیے کہ یہ کسی وقت بھی انسان کو راہِ حق سے بھٹکا کر گناہوں کی پرخار وادی میں دھکیل سکتا ہے،اس لیے اس سے بھی ہوشیار رہنا لازم ہے۔

رَابِطُوْا :.....آیتِ کریمہ میں تیسری چیز رباط ذکر فرمائی گئی ہے،رباط کا لغوی معنیٰ گھوڑے کو کسی جگہ پر حفاظت کے لیے باندھ دینے کے ہیں،اسی سے ''رباط الجیش'' ہے،یعنی فوج کو کسی جگہ متعین کر دینا۔نگرانی کرنا،دشمن کے مقابلے میں دارالاسلام کی سرحدوں کی حفاظت کرنا،اسلامی مملکت کی حفاظت کے لیے جنگی ساز وسامان سے مسلح رہنا یہ سب رباط میں شامل ہے،ابن عطیہ کہتے ہیں صحیح قول یہ ہے کہ رباط کا معنیٰ **الملازمة فی سبیل اللّٰه** (اللہ کی راہ کو لازم پکڑنا) ہے۔

اس کے علاوہ ایک نماز کی ادائی کے بعد دوسری نماز کی بروقت اور جماعت کے ساتھ ادائی کے لیے فکر مند رہنا بھی رباط میں شامل ہے۔چنانچہ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''میں تمہیں وہ چیز بتاتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرمادیں اور تمہارے درجات بلند فرمادیں 'وہ چیزیں یہ ہیں:

(۱)وضو کو مکمل طور پر کرنا باوجود کہ سردی یا زخم وغیرہ کے سبب اعضاءِ وضو کا دھونا مشکل نظر آرہا ہو۔

(۲)مسجد کی طرف کثرت سے جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرتے رہنا۔اس کے بعد فرمایا ''**ذالکم الرباط**''(یعنی یہ بھی رباط فی سبیل اللہ ہے)(قرطبی)

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا۔اس حدیث کی رو سے امید ہے کہ جو شخص ایک نماز کے بعد دوسری نماز کی پابندی کرے اس کو بھی اللہ تعالیٰ وہ ثواب عظیم فرمائیں گے جو رباط فی سبیل اللہ کے لیے احادیث میں مذکور ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل رباط فی سبیل اللہ اس سے ایک مختلف چیز ہے اور وہ ہے اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور کفار سے مقابلے کے لیے جنگی ساز وسامان تیار رکھنا۔احادیث میں اس کے بہت زیادہ فضائل آئے ہیں۔صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کے راستے میں ایک دن کا رباط تمام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے'' صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایک دن رات کا رباط ایک مہینے کے مسلسل روزے اور تمام شب عبادت میں گزارنے سے بہتر ہے اور اگر وہ اسی حالت میں مر گیا تو اس عملِ رباط کا روزانہ ثواب ہمیشہ کے لیے جاری رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا رزق جاری رہے گا اور وہ شیطان سے محفوظ و مامون رہے گا۔''

امام قرطبی نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسلمانوں کی کمزور سرحد کی حفاظت اخلاص کے ساتھ ایک دن رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں کرنے کا ثواب سو سال کے مسلسل روزوں اور شب بیداری سے افضل ہے اور رمضان میں ایک دن کا رباط ایک ہزار سال کے صیام و قیام سے زیادہ افضل ہے۔''

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اللہ کی راہ میں سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے وفات پا گیا وہ بڑی گھبراہٹ (یعنی قیامت کے دن کی پریشانی سے) محفوظ رہے گا اور (قبر میں) اسے صبح شام رزق ملتا رہے گا اور اسے برابر مرابط (یعنی رباط میں لگنے والے) کا ثواب ملتا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے (قیامت کے دن قبر سے) اٹھائے'' (رواہ الطبرانی)

رباط کے عمل کی اتنی زیادہ فضیلت یوں ہی نہیں ہے، مجاہدین اسلام اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر دشمن کے سامنے صف آراء ہوتے ہیں تو ایک ایک لمحہ موت کا پیغام ہوتا ہے مگر اللہ کے یہ سچے بندے اس خوف و ہراس کی کیفیت کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مستعد اور تیار کھڑے ہوتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ کفار اسلامی سرحد کی خلاف ورزی کی کوشش کریں تو ان کا منہ توڑ جواب دیا جا سکے۔

تقویٰ:... آیت کریمہ میں چوتھی بات تقویٰ کی بیان کی گئی ہے۔ پچھلے ایک درس میں تقویٰ کی حقیقت مختصر طور پر بیان کی جا چکی ہے۔ یہاں بس اتنا سمجھ لیجئے کہ تقویٰ نام ہے ہمہ وقت اللہ رب العزت کی رضا جوئی کی تلاش میں رہنا اور اس کے قہر و غضب سے ڈرتے رہنا۔ آیت بالا میں یوں سمجھ لیجئے کہ تقویٰ کو بطور شرط بیان کیا گیا ہے یعنی صبر و مصابرہ اور مرابطہ بغیر تقویٰ کے ثمر آور نہیں ہو سکتے۔

فلاح:..... فلاح کے معنیٰ کامیابی اور مطلب پا لینے کے ہیں۔ فلاح دو قسم کی ہے؛ دنیوی اور اخروی، فلاح دنیوی ان سعادتوں کو حاصل کر لینے کا نام ہے جن سے دنیوی زندگی خوشگوار بنتی ہو یعنی بقاءِ مال، اور بقاء عزت و دولت وغیرہ۔ فلاح اخروی چار چیزوں کے حاصل ہو جانے کا نام ہے: بقاء بلا فناء، غناء بلا فقر، عزت بلا ذلت، علم بلا جہل .....ان تمام چیزوں کا اصل مقام آخرت میں ہے، اس لیے کہ وہاں نہ فناء ہے، نہ فقر ہے، نہ ذلت ہے اور نہ ہی جہل

ہوگا۔اسی لیے کہا گیا ہے لا عیش الا عیش الآخرۃ کہ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے؛اور اسی زندگی کے بارے میں کہا گیا ہے: وَاِنَّ الدَّارَ الْآخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَان (العنکبوت،۶۴)''اور زندگی کا مقام تو آخرت کا گھر ہے۔

آخر میں ''لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْن'' فرما کر نتیجہ بتادیا۔حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہاں لَعَلَّ شک کے لیے نہیں ہے بلکہ ترجی یعنی امید دلانے کے لیے ہے۔مطلب یہ ہے کہ یہ اعمال بجالا کر فلاح کے امیدوار ہو،لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس میں تو کوئی وعدہ ہے ہی نہیں؛تو شاید ایسا نہ بھی ہو،کیونکہ یہ شاہانہ کلام ہے اور بادشاہ کسی کو امید دلا کر ناامید نہیں کیا کرتے۔شاہانہ کلام ہزار پختہ وعدوں سے زیادہ (مضبوط) ہوتا ہے۔(مزید فرمایا) لعلکم میں ایک راز ہے،جو اہل سنت نے سمجھا ہے وہ یہ کہ لعل فرما کر تنبیہ کی گئی ہے کہ ہم وعدہ کر کے مجبور نہیں ہوگئے،بلکہ اب بھی جزا کا دینا نہ دینا ہمارے اختیار میں ہے۔ہماری شان یہ ہے کہ لایسئل عما یفعل (جو وہ کرتا ہے اس سے اس کو پوچھا نہ جائے گا)۔ہم وعدہ ایفاء کریں گے مگر اس کے لیے مجبور بھی نہیں ہیں بلکہ وعدہ کے بعد بھی ویسے ہی مختار ہیں جیسے قبل وعدہ تھے۔''(بحوالہ اشرف التفاسیر جلد اوّل)

فلاح کا تقویٰ سے خاص تعلق ہے،قرآن مجید میں متعدد مقامات پر تقویٰ اور فلاح کا ایک ساتھ ذکر ہوا ہے مثلاً:

وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِھَا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنo۔(سورہ بقرہ،۱۸۹)

یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافاً مُّضَاعَفَۃً وَّاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنo(آل عمران،۱۳۰)

فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنo(المائدہ،۱۰۰)

سورہ نور میں توبہ کے ضمن میں: وَتُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنo(النور،۳۱)

فلاح کا وعدہ انہی لوگوں کے لیے ہے جن میں اوپر مذکورہ صفات موجود ہوں......فلاح کیا ہے؟اس عظیم کامیابی کا حصول جسے ہمیشہ کے لیے دخول جنت اور جہنم سے نجات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کا تصور فلاح یہ ہے کہ نفسِ انسانی تزکیہ اور پاکیزگی حاصل کرلے اور اس کا دل معاصی سے پاک ہوکر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے آگے جھک جائے۔جب ایسا ہوجائے تو وہ عبدِ مومن فلاح کا حقیقی مستحق ہوگا۔قرآن مجید میں ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی(الاعلیٰ)''تحقیق کامیاب ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک کیا''

یا جیسے سورہ شمس میں ارشاد ہے:

وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰھَاo فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَاo قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَاo وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَاo

''اور نفس جیسا کچھ اس کو سنوارا،پس اس کو سمجھ دی اس کی بدی کی اور اسکی نیکی کی،کامیاب ہوا جس نے اس کو

پاک کیا، اور نامراد ہوا جس نے اس کو آوارہ چھوڑ دیا''

آیت مذکور میں ایمان والوں کو نہایت قیمتی نصیحت ارشاد فرمائی گئی ہے جو آج کے ماحول میں بہ خوبی سمجھی جاسکتی ہے۔ آج کا سکّہ رائج الوقت ''آزادی'' ہے، آزادی دراصل نفس کی آوارگی کا نام ہے، مغرب نے جو انسانی حقوق متعین کیے ہیں؛ ان میں انسان کا پہلا حق ''آزادی'' ہے، آزادیٔ فکر ونظر، آزادی مذہب، آزادی اظہار، آزادی عمل، آزادی نسواں، یہ تمام آزادیاں دراصل نفس کی آوارگیاں ہیں۔ اس لیے فلاح یافتہ انسان وہ ہے جس نے اس دنیا میں اپنے نفس کو قابو میں کرلیا اور اپنے آپ کو ان تمام آلائشوں سے بچالے گیا، اسی سے اللہ تعالیٰ کی رضا ملے گی۔

سختیاں اٹھا کر بھی طاعت پر جمے رہو: فائدہ از حضرت شیخ الہندؒ:

''اگر کامیاب ہونا اور آخرت میں مراد کو پہنچنا چاہتے ہو تو سختیاں اٹھا کر بھی طاعت پر جمے رہو، معصیت سے رکو، دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھاؤ، اسلام اور حدود اسلام کی حفاظت میں لگے رہو، جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو وہاں آہنی دیوار کی طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ جاؤ، **وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّااسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّاللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ** (الانفال) ہر وقت ہر کام میں خدا سے ڈرتے رہو۔ یہ کرلیا تو سمجھو مراد کو پہنچ گئے، **اللّٰهم اجعلنا مفلحين وفائزين بفضلك ورحمتك فى الدنيا والآخرة**۔''

آخری بات:

موجودہ احوال میں زیر درس آیت ہمارے لیے ایک خاص پیغام رکھتی ہے۔ یوں تو اللہ کی پوری کتاب ہی مومنین کے لیے ہدایت اور رہنمائی ہے لیکن اس آیت کو ہمارے حالات سے ایک خاص تعلق ہے۔ اس وقت اہل دین بحیثیت مجموعی جن حالات سے گزر رہے ہیں اور جس طرح کے شدائد ومصائب نازل ہو رہے ہیں؛ دشمنانِ اسلام جس طرح خفیہ وعلانیہ سازشوں میں مصروف ہیں؛ ان کے پیش نظر ہر صاحبِ ایمان کو صبر وتقویٰ اور مصابرہ ومرابطہ کی طرف بطور خاص دھیان دینا چاہیے۔ ان چاروں صفات کو اللہ تعالیٰ نے اکٹھا ذکر فرمایا ہے اور ان میں خاص حکیمانہ تعلق ہے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اہل ایمان کی قوت وسطوت اور شوکت کے لیے پیش آمدہ تکالیف پر صبر کرتا ہے اور ظاہری وباطنی دشمنوں سے ہوشیار رہتے ہوئے؛ ان کی سرکوبی کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اس سارے عرصے میں تقویٰ کی ڈھال کو اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ یہی وہ خاص پیغام ہے؛ اس آیت کا جو آج کے مسلمانوں سے مخاطب ہے۔ یہ چاروں نکات وہ خاص اصول ہیں جن میں ہماری دنیوی کامیابی اور اخروی فلاح مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید کے اس پیغام کو سمجھنے اور اس پر کما حقہٗ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سنن ابی داود کی کتاب الادب.....

ایک طائرانہ جائزہ

مولانا محمد طاہر سورتی

(آخری حصہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک اونٹ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ کیا اور فرمایا: اس کے ساتھ سختی مت کرنا، نرمی ایک ایسی چیز ہے کہ جہاں جاتی ہے ماحول کو خوشنما بنا دیتی ہے اور جہاں سے نکل جاتی ہے وہاں بدنما داغ چھوڑ جاتی ہے۔

الفاظ کے استعمال کے معاملہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے نایاب آداب تلقین فرمائے ہیں، چناں چہ اُس زمانہ میں جب کسی کی طبیعت ناساز ہوتی، متلی وغیرہ کی کیفیت ہوتی تو عام طور پر یہ جملہ بولا جاتا تھا: خَبُثَتْ نَفْسِیْ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بڑا نامناسب لفظ ہے، اس کے بجائے لقست نفسی بولنا چاہیے، خباثت اچھی چیز نہیں ہے، بڑا سخت لفظ ہے، اسی طرح سے انگور کے لیے کـــرم کا لفظ استعمال فرماتے تھے؛ اس لیے کہ ان کو شراب سے بڑی محبت تھی؛ اس لیے اپنی طرف سے فوائد گھڑ لیے تھے، کہتے تھے کہ شراب پینے سے آدمی میں سخاوت کا مادہ پیدا ہوتا ہے؛ اس لیے وہ انگور کو کرم کا لفظ دیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ انگور کے لیے اس لفظ کے استعمال سے منع فرمایا اور فرمایا: الکرم قلب المومن۔ جو خوبیاں انگور کی بیان کرتے ہو وہ خوبیاں تو مومن کے دل میں ہوتی ہیں؛ اس لیے انگور کے لیے کرم کا لفظ استعمال نہ کریں۔

قرآن کریم کی آیت کے بھولنے پر کہتے تھے: نَسِیْتُ آیَۃَ کَیْتَ وَکَیْتَ.....اس سے لاابالی پن اور غفلت مترشح ہوتی ہے، قرآن مجید کے بارے میں انسان کی بے توجہی ظاہر ہوتی ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو بدلنے کا حکم دیا اور یوں فرمایا بجائے نَسِیْتُ کے نُسِّیْتُ (مجھے بھلا دیا گیا) کہنا چاہیے۔

بدوؤں نے عشاء کی نماز کے لیے اپنے ماحول کے اعتبار سے ایک لفظ عتـــمۃ بولنا شروع کر دیا تھا, تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اعرابی تم پر غالب نہ آجائیں، وہ عشاء کی نماز کو عتمۃ کہتے ہیں، سنو یہ عتمۃ نہیں، عشاء ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا نام نامناسب دیکھتے تو بدلوا دیتے، کیوں کہ نام کا بھی اثر پڑتا ہے۔ چناں چہ ایک

صاحب کا نام حزن تھا اس کا معنیٰ سخت زمین ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مشورہ دیا کہ اپنا نام بدل کر سہل کردو، انہوں نے قبول نہیں کیا۔ ان کے پوتے حضرت سعید کہتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں ہمیشہ سختی رہی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرب (لڑائی) نام رکھنے سے منع فرمایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں مختلف اسالیب سے حضرات صحابہ کا یہ مزاج بنانے کی کوشش کی کہ جو چیز انسان کو دوسرے حیوانات سے ممتاز کردے، اس کا انسانوں کو خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیے یعنی ادب۔

کتاب الطہارۃ میں یہ روایت ہے کہ لعنت کرنے والی دو چیزوں سے بچو، جس جگہ لوگ آرام کرتے ہیں، سایہ حاصل کرتے ہیں، وہاں یا راستہ کے بیچ میں پیشاب پاخانہ مت کرو۔ (رقم الحدیث:۵۲)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو ہمارے بڑوں کا ادب نہ کرے، چھوٹوں پر شفقت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، اس طرح کی تعلیمات ادب کہلاتی ہیں۔

ادب پر کتابیں:

ایسی احادیث اور مضامین کو بیان کرنے کے لیے حضراتِ محدثین رحمہم اللہ اپنی کتابوں میں مستقل ایک کتاب کو ''کتاب الادب'' کا عنوان دیتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی بخاری شریف میں کتاب الادب رکھی ہے۔ اور کمال کی بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف ادب پر ایک مستقل تصنیف بھی کی جس کا نام ''الادب المفرد'' ہے اس کا اردو میں ترجمہ بھی ہوا ہے ''آدابِ زندگی'' کے نام سے۔ اس میں بڑی سیر حاصل گفتگو اور بڑے توسع سے ادب کی احادیث پیش کی گئی ہیں۔ ایک کتاب ہے ''ادب الدنیا والدین''۔ اردو زبان میں اس کا ایک بہت اچھا مجموعہ ہے ''آدابِ معاشرت'' کے نام سے ہے، اس کا مطالعہ کرنا اور عمل کرنا طلبہ اور علماء کے لیے بے حد مفید ہے۔ ان حضراتِ مصنفین کا مقصد یہ ہے کہ آدمی ایسی روایات کو یک جا پڑھ کر اس کے مطابق عمل کر سکے۔ مصنف رحمہ اللہ نے بڑی باریک بینی اور دقتِ نظر کیساتھ اس میں ابواب قائم کرکے روایات کا انتخاب فرمایا ہے۔

ادب عربی لغت میں:

(۱) اَدَبَ یَأْدِبُ اَدْبًا فھو آدِبٌ و مَأْدُوْبٌ، ادب الکریمُ کا معنیٰ ہوتا ہے سخی آدمی نے دعوت کی۔

(۲) اَدَبَ الْوَلَدَ کا معنیٰ ہوتا ہے اولاد کو محاسنِ اخلاق اور عاداتِ حمیدہ کی طرف متوجہ کیا۔

(۳)اَدَبَ الْقَوْمَ عَلَی الاَمْر: کسی کام کے لیے لوگوں کو بلایا اور جمع کیا۔

(۴)اَدَبَ فُلاناً کا مطلب ہوتا ہے اس کو محاسنِ اخلاق وعادات کا عادی بنایا۔

(۲)اَدُبَ یَاْدُبُ اَدَبًا فَھُوَ اَدِیْبٌ۔

(۱)اَدُبَ فُلَانٌ کا معنیٰ ہے اس نے اپنے آپ کو محاسن کا عادی بنایا۔

(۲)اَدُبَ الْمُتَحَدِّثُ کا مطلب ہے: گفتگو کرنے والا ظریف الطبع ہے۔

(۳)اَدُبَ الرَّجُلُ یعنی اس کے اخلاق اور عادات اچھے ہیں۔

الفضل بالعقل والادب لا بالاصل والحسب۔

(۴)اَدُبَ الْکَاتِبُ یعنی مصنف فنونِ ادب کا ماہر وموجد ہے۔

اس تفصیل سے آپ کو اندازہ آ گیا ہوگا کہ عربی زبان میں اس لفظ کے معانی کیا ہیں؟

ادب کی حقیقت.....ادب کی حقیقت کیا ہے؟

اس کو آپ ایسے سمجھیے کہ مکارمِ اخلاق اور قابلِ تعریف اقوال وافعال کو اختیار کرنا، بڑوں کی تعظیم، اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ نرمی وشفقت اور اچھی چیز کو اختیار کرنا، ہر بری چیز کو چھوڑ دینا یہ ادب ہے۔(ہامش ابی داود)

کتاب الادب کا ایک تجزیہ:

کتاب الادب کو ہم اپنے طور پر تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں: ایک حصہ تو وہ ہے جس میں امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے چند ایسی صفات کا تذکرہ کیا ہے، جن کی احادیث میں ترغیب وتشویق آئی ہے، ان کے فوائد بتائے ہیں، ان کے فضائل بتائے ہیں، ان صفات والوں کی تعریف کی ہے، یہ وہ صفات ہیں جن کو اپنے اندر پیدا کرنے سے انسان کو اچھے معاشرے کا لطف آتا ہے، زندگی بہتر ہوتی ہے، اچھا سماج اور پاکیزہ مُعاشرہ وجود میں آتا ہے، آپس میں تعلقات مضبوط ہوتے ہیں، کینہ، حسد اور بغض دور ہوتا ہے، اور ہر آدمی کو اس کا فائدہ ہوتا ہے، یہ صفاتِ مطلوبہ ہیں، جن کی مختصر فہرست یہ ہے: (۱)حلم، بردباری (۲)وقار (۳)غصہ پینا (۴)عفوودرگزر (۵)حسنِ مُعاشرت (۶)حیا (۷)اچھے اخلاق (۸)نرمی (۹)شُکرِ نعمت، شُکرِ احسان (۱۰)صحبتِ نیک (۱۱)دینی بھائی کی عزت وآبرو پر اگر کوئی حملہ کرے تو اس کا دفاع (۱۲)مسلمان کی پردہ پوشی (۱۳)باہمی بھائی چارے کا ماحول (۱۴)تواضع (۱۵)خیر خواہی (۱۶)باہمی تعلقات کی درستی (۱۷)رحم دلی (۱۸)پریشان حال کی مدد (۱۹)وعدہ پورا کرنا اور اس کی اہمیت، اس کے فائدے (۲۰)مزاح، خوش طبعی اور دل لگی۔

یہ وہ امور ہیں جن کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے مستقل عنوان دے کر ان کے فضائل اور فوائد بتائے ہیں، اس کے

مقابلے میں بعض صفات مذمومہ ہیں جن کے بارے میں شریعت یہ چاہتی ہے کہ انسان ان سے پاک ہو؛ کیوں کہ ان صفات کے موجود ہونے کی صورت میں خود انسان کی اپنی زندگی بھی اجیرن ہوجاتی ہے اور دوسروں کے لیے بھی وہ آدمی پریشانی کا باعث اور دردِ سر بن جاتا ہے۔ ایسے امور کو بھی امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ ان کو آپ صفاتِ مذمومہ کہہ سکتے ہیں، یہ گویا کتاب الادب کا ایک سلبی پہلو ہے، پہلا ایجابی پہلو ہے۔

اس میں کبر، تمادح یعنی کسی کی تعریف میں مبالغہ کرنا چاپلوسی چمچہ گیری کرنا، راستوں پر بیٹھکیں لگانا، لڑائی جھگڑا کرنا، اِدھر کی بات اُدھر بدنیتی سے منتقل کرنا۔ غیبت کرنا، جاسوسی کرنا، باہم گالی گلوچ کرنا، انتقامی کارروائی، مُردوں کو برائی کرنا، ظلم کرنا، حسد، لعنت اور ملامت کرنا، ظالم کو بددعاء دینا، مسلمان بھائی سے بات چیت بند کردینا، بدگمانی، نرد بازی، کبوتر بازی، جھوٹ بولنا اور پُر تکلف کلام کرنا۔ یہ گویا ایک حصہ کتاب الادب کا ہوجاتا ہے صفاتِ مطلوبہ اور صفاتِ مذمومہ کا بیان۔

دوسرا حصہ..... اس میں امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ایسے مضامین بیان فرمائے ہیں جو خود انسان کے لیے دنیوی راحت کا سبب ہوتے ہیں۔ ان کا اگر آدمی اہتمام کرے تو ان سے آدمی کو دنیا کے اندر راحت ہوتی ہے، دنیوی نقصان سے حفاظت ہوتی ہے۔ اور تیسرے نمبر پر آپ نے سونے کے آداب، صبح وشام کے اور زندگی کے مختلف مواقع کے اذکارِ ماثورہ بیان فرمائے ہیں۔

گزشتہ صدی کے وہ تمام علماء اور صلحاء جنہوں نے اس نصاب کے ذریعے اپنی علمی تکمیل کی اور پھر تمام عمر اسی خدمت میں گزار دی؛ اس نصاب کے کامیاب اور مفید ہونے کی وہ واقعاتی اور تجرباتی دلیل ہے جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا، چنانچہ پاک وہند میں جس قدر علماء دین ہوئے ہیں جن کے علم وفضل پر سب کو اعتماد رہا ہے وہ کم وبیش اسی نصاب کے ذریعے علم وفضل کے اس بلند مقام پر فائز ہوئے ہیں۔ ماضی قریب میں بھی اس نصاب سے استفادہ کرنے والوں میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، وغیرہ کے چند اسمائے گرامی مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔ متذکرہ علماء کرام کے معیاری علم وفضل کی نظیر نہ یہ کہ صرف پاک وہند میں دستیاب نہیں ہوسکتی بلکہ پوری دنیائے اسلام میں بہت ہی کمیاب ہے، اس درجہ کے علم وفضل کا حاصل ہونا اسی نصاب کا مرہون منت ہے جس کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے اور جو صدیوں سے آزمایا ہوا اور تجربہ شدہ ہے۔ (حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ)

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ
اپنے علم واستدلال کے آئینے میں

مولانا بدرالحسن القاسمی، مقیم کویت

علامہ ابن الجوزی نے اماماعظم ابوحنیفہؒ کی منقبت میں حضرت امام مالک کا یہ مشہور جملہ نقل کیا ہے:

قیل لمالک: هل رأیت أبا حنیفة؟ فقال: رأیت رجلاً لو کلمک فی هذه السارية أن یجعلها ذهبا لقام بحجته.

''امام مالک سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ نے امام ابوحنیفہؒ کو دیکھا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا ہے جو اگر اس ستون کے بارے میں تم سے گفتگو کرے کہ یہ سونے کا ہے تو اپنی حجت اور قوت استدلال سے اس کو ثابت کرسکتا ہے۔''

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے بارے میں مجھے یہ تو نہیں معلوم کہ ان کو ''حجۃ الاسلام'' کا لقب کس نے دیا؟ اور یہ لفظ ان کے نام کا جز کس طرح بنا؟ لیکن ان کی کتابوں کو پڑھنے، مناظروں کی روداد دیکھنے اور خالص علمی مسائل اور نازک غیبی حقائق کو ثابت کرنے کے لیے ان کے عقلی دلائل کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی خرقِ عادت ذہانت وذکاوت، دقیق اور گہرا علم اور بے پناہ حجت اور قوت استدلال عطا فرمائی تھی کہ اگر یہ کہا جائے کہ عقلی اور کلامی مسائل میں ان پر امام مالکؒ کا وہ جملہ صادق آتا ہے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا۔

رسوخ فی العلم اور قوتِ استدلال میں ان کا مقام ابوحامد الغزالیؒ اور امام فخر الدین رازیؒ سے کسی طرح کم نہیں تھا، گو کہ انہوں نے ان بزرگوں کی طرح تصنیف وتالیف کی طرف توجہ نہیں دی اور سادگی وگمنامی کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے رہے اور زمانہ کے اختلاف کے ساتھ ان کے سیاسی واجتماعی حالات بھی الگ رہے اور عصری مسائل کی نوعیت بھی مختلف رہی۔ البتہ امام غزالیؒ اور امام رازیؒ کو اللہ نے تصنیف وتالیف کا جو سلیقہ اور مشکل مسائل کو آسان کرکے پیش کرنے کا جو ملکہ عطا فرمایا تھا اس کی مثال تو پوری اسلامی تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔

مولانا نانوتویؒ کے طرزِ استدلال کی خوبی یہ ہے کہ دقیق علمی مسائل کو بھی تمثیلوں کے ذریعہ اس طرح واضح کرتے ہیں کہ غیبی حقائق بھی محسوس ومشاہد نظر آنے لگتے ہیں اور جو عقلی دلائل کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں وہ بھی علم کلام کی کسی کتاب سے ماخوذ یا عام متکلمین کے طرزِ استدلال سے مستفاد ہونے کے بجائے خود ان کا طبع زاد

اور قائم کردہ مقدمات اور اپنے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں ہوتے ہیں؛ جن میں اچھوتا پن بھی ہوتا ہے اور قوت اقناع بھی، پڑھنے والوں کو دلیلوں اور مثالوں کی ایک نئی دنیا نظر آنے لگتی ہے جس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اللہ نے ایسی علمی بصیرت اور ایسا وہبی علم عطا کیا تھا کہ وہ نئے علوم ایجاد کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

بعض مسائل میں ان کی ذہانت اور قوت استدلال کے سامنے فارابی وابن سینا بھی طفلِ مکتب نظر آتے ہیں، یہ بات میں نے محض عقیدت میں مبالغہ کے طور پر نہیں کہی ہے، جن لوگوں کو مولانا نانوتویؒ کے علوم سے مناسبت ہے اور منطق وفلسفہ کی بعض مشکل اصطلاحات کو سبر وضبط کے ساتھ پڑھنے کا ملکہ بھی ہے وہ موازنہ کر کے اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کی ذہانت کے کرشمے صرف علم کلام کے مشہور مسائل کے بیان تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ''کلی طبعی'' کے وجود جیسے خالص فنی مسئلے میں بھی وہ اپنی وقیع رائے رکھتے تھے اور مکتوبات میں کہیں کہیں اس کا بے ساختہ اظہار ہو بھی ہو گیا ہے کہ ''ابن سینا اور دوسرے فلسفیوں کی بکواس کا تو مجھے علم نہیں ہے؛ لیکن جہاں تک اپنی عقل کام دیتی ہے مسئلہ کا حکم یہ سمجھ میں آتا ہے''۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں میں شرعی احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں پہ زور دیا گیا ہے اور اس معاملہ میں شاہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ بے مثال چیز ہے جس کی متقدمین کی کتابوں میں بھی مثال ملنی مشکل ہے، شاہ صاحبؒ کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور سید اسماعیل شہید کے واسطے سے جو علوم حضرت نانوتویؒ تک پہنچے تھے وہ ان کے نہ صرف وارث وامین تھے بلکہ ان کو چونکہ عیسائیوں، ہندؤں اور دوسرے مذہب والوں سے بھی واسطہ پڑا تھا اور ''میلہ خدا شناسی'' جیسے بین الادیان مناظروں اور مباحثوں میں شرکت کا موقع ملا تھا؛ اس لیے ان کی کتابوں میں دینی احکام کی حکمتوں کے بیان کا اہتمام کیے جانے کے بجائے بنیادی اسلامی عقائد کو اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جس سے اسلامی عقائد کی حقانیت اور دین اسلام کی دوسرے ادیان پر فوقیت ثابت ہو جائے۔

حضرت نانوتویؒ کی کتابوں میں ایک طرف وجودِ باری، توحید، نبوت، آخرت وغیرہ کے اثبات کے لیے عقلی دلائل دیئے گئے ہیں تو دوسری طرف ہندؤں کے عقیدہ تناسخ اور عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث وغیرہ کی قوت کے ساتھ تردید بھی کی گئی ہے۔

ایک طرف اگر قرآن کی صداقت اور اس کے بلاغت واعجاز کے دلائل فراہم کیے گئے ہیں تو دوسری طرف وید کی غلطیوں اور انجیل کی تحریفات کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے۔

جہاں تک حضرت نانوتویؒ کے طرزِ استدلال کی خوبیوں کا تعلق ہے تو ان کو درج ذیل نقاط میں سمجھا جاسکتا ہے:

☆:.....مولانا نانوتویؒ کا ذہن منطقی ترتیب کا خوگر اور عقلی مسلمات سے استدلال کرنے کا عادی تھا؛ اس لیے ہر مسئلہ پر بحث تفصیلی مقدمات اور اصول موضوعہ کی روشنی میں کیا کرتے تھے؛ چنانچہ وہ اصول ومقدمات ہی ان کے طرزِ استدلال کی اصل روح ہوا کرتی ہے۔

☆:.....مولانا نانوتویؒ کے بیان کردہ مقدمات بے حد اہم اور عقلی اصولوں سے اس طرح ہم آہنگ ہیں کہ ان سے زیر بحث مسئلوں کے اثبات کے ساتھ دوسرے سینکڑوں علمی مسائل حل کیے جاسکتے ہیں اور ان مقدمات میں حضرت مولانا نانوتویؒ کی عبقریت ظاہر ہوتی ہے۔

☆:.....بعض جزئی اور فرعی مسائل کے حل کے لیے بھی حضرت نانوتویؒ نے جو مقدمات قائم کیے ہیں وہ بے حد اہم اور خالص اصولی نوعیت کے ہیں اور جو اس ترتیب اور معقولیت ونظام کے ساتھ کہیں اور نہیں مل سکتے، اس کی بہترین مثال ان کے فارسی کے وہ گیارہ مکاتیب ہیں جو نہایت طویل اور مستقل رسالوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں بیشتر شبہات اور اشکالات کے ازالے کے لیے لکھے گئے ہیں اور مسائل زیر بحث سے قطع نظر جو مقدمات انہوں نے قائم کیے ہیں وہ بڑی بڑی کتابوں پہ بھاری ہیں اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔

☆:.....قبلہ نما اور براہین قاسمیہ جیسی کتابوں میں مقدمات ہی رسالہ کی جان ہیں۔

☆:.....حضرت نانوتویؒ چونکہ غیر معمولی ذہین وعبقری انسان تھے، اس لیے ان کے یہاں استطرادات اور ذیلی وفرعی بحثوں کا سلسلہ بہت زیادہ ہوتا ہے جس سے ہر مسئلہ پر جو امکانی شبہات ہوسکتے ہیں ان کا ازالہ مقصود ہوتا ہے؛ لیکن پڑھنے والوں کے لیے ربط ونظم کا تلاش کرنا اور کسی مسئلہ کو مکمل طور پر دوسرے مسئلہ اور بحث سے جدا کرنا مشکل ہوجاتا ہے؛ کیونکہ ہر استطرادا اور ذیلی بحث میں ازالہ اشکال کے ساتھ اصل مسئلہ کے بارے میں کوئی نیا نکتہ یا نئی دلیل اور افادہ بھی ہوا کرتا ہے۔

مولانا حمید الدین فراہیؒ جن کی شہرت قرآنی آیات میں نظم وتناسب تلاش کرنے میں یکتائے روزگار کی حیثیت سے ہے ان کا قول ہے کہ ''ذہین اور عبقری لوگوں کے کلام میں نظم تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے، مولانا قاسم نانوتویؒ کی کتابوں میں بھی نظم کی تلاش مشکل کام ہے''۔

☆:.....حضرت نانوتویؒ کے علوم کسبی سے زیادہ وہبی تھے، اس لیے ان کے ہر استدلال میں ایک طرح کی ندرت اور اچھوتا پن ہے جو کسی دوسری کتاب یا دوسرے متکلم کے یہاں ملنا مشکل ہے؛ اس لیے ان کے استناد

کے لیے کسی متعین کتاب کا حوالہ بھی نہیں دیا جاسکتا؛ لیکن وہ اتنے منطقی اور بدیہی ہوتے ہیں کہ ان کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔

☆.....عقائد کے مسائل میں چونکہ ان کا خطاب عموماً غیر مسلموں سے ہوتا ہے اس لیے وہ قرآنی آیات و احادیث وغیرہ کے استعمال سے مکمل طور پر احتراز کرتے ہیں اور صرف ان عقلی اصولوں پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھتے ہیں جن کو غیر مسلم اور مسلم سبھی سمجھتے ہیں۔

☆.....بعض فقہی اور فروعی مسائل میں بھی ان کی تحریریں منطقی ترتیب لیے ہوئی ہیں اور ان کی مخصوص فراست اور استنباط کی صلاحیت کا آئینہ دار ہیں، ''توثیق الکلام''، ''مصباح التراویح'' اور ''جمعہ فی القریٰ'' سے متعلق رسائل میں ان کی فقہی بصیرت، استدلال کی قوت، اور آیات واحادیث سے نئے مفاہیم پیدا کرنے کی صلاحیت کا بھرپور اظہار ہوتا ہے؛ چنانچہ فقہائے احناف نے جو شرائط جمعہ کی اقامت کے لیے ذکر کی ہیں، مولانا نانوتویؒ نے براہ راست خود قرآن حکیم کی آیات سے وہ ساری شرطیں مستنبط کر کے دکھلا دی ہیں۔

علمی رسوخ اور ذہانت کی کرشمہ سازیاں:

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی خرقِ عادت ذہانت اور خالص وہبی اور لدنّی علوم کی کرشمہ سازیاں تو ان کے ہر چھوٹے بڑے رسالے سے عیاں ہیں؛ لیکن خاص طور پر 'تقریر دل پذیر'، 'آبِ حیات' اور 'قبلہ نما' میں اور اسی طرح فارسی کے مجموعہ مکاتیب میں ان کے دریائے علم کی طغیانی اور ان کے ذہن و دماغ کی روانی پورے عروج پر نظر آتی ہے، مثال کے طور پر ان کے رسالہ ''قبلہ نما'' کو لیجیے تو اس کتاب کی تالیف کا محرک آریہ سماجیوں کی طرف سے مسلمانوں پر یہ الزام تھا کہ ''مسلمان دوسروں کو تو بت پرستی کا طعنہ دیتے ہیں؛ لیکن خود خانہ کعبہ کی اس طرح پوجا کرتے ہیں کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کا رخ مکہ میں واقع اسی گھر کی طرف ہوتا ہے''

اس اعتراض کے جواب میں حضرت نانوتویؒ نے جو گل افشانیاں کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

''بت پرستی'' اور ''استقبالِ قبلہ'' کے الفاظ ہی دونوں کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں، ایک جگہ عبادت و پرستش ہے اور دوسری جگہ صرف استقبال اور خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا تصور ہے۔

نماز پڑھنے والا صرف اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف کرتا ہے، اس کی نیت اللہ کے لیے نماز کی ہوتی ہے، خانہ کعبہ سے اس کی نیت کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

نماز میں پڑھی جانے والی قرآنی آیات، سورہ فاتحہ، رکوع وسجود کی تسبیحات اور نماز کے آغاز میں ہی اللہ کی حمد وثنا

کے الفاظ؛ یہ سب اس کا ثبوت ہیں کہ مسلمان خانہ کعبہ کی پوجا نہیں کرتے؛ بلکہ رب الکعبہ کی پرستش کرتے ہیں، مسلمانوں کا رکوع وسجود اللہ کے لیے ہوتا ہے۔

کوئی شخص اگر خانہ کعبہ سے بلند جگہ پر نماز پڑھے یا زمین کی تہہ میں پڑھے تب بھی اسے اللہ کے اس گھر کا رخ کرنا پڑے گا، چنانچہ جب عبداللہ بن زبیرؓ نے خانہ کعبہ کی عمارت کی تجدید کا فیصلہ کیا تو نئی عمارت کی تعمیر کے لیے کعبہ کی عمارت انہوں نے جڑ سے منہدم کردی اور مسلمان بغیر کسی ادنیٰ تردد یا التباس کے مکان نہ ہونے کے باوجود اسی جگہ کا رخ کرکے نماز کی پابندی کرتے رہے ہیں جو اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ درودیوار کی پرستش نہیں کرتے؛ بلکہ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

مسلمان خانہ کعبہ کو اللہ کا گھر اور بیت اللہ کہتے ہیں، اسے ''اللہ'' نہیں کہتے، شاہی محل میں جاکر ایک شخص بادشاہ کے لیے ہی آداب بجالاتا ہے، درودیوار یا گھر کے سامنے نہیں جھکتا؛ جبکہ ہندو مورتی ہی کو بھگوان کہتے ہیں اور اسی کی پوجا کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے عقیدہ کی رو سے عبادت کی مستحق ذات صرف اللہ رب العزت کی ہے جو ہر طرح کے نفع وضرر پہ قادر ہے اور جس کے قبضہ قدرت میں کائنات کی ہر شئے ہے، اللہ کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی عبادت کے لائق نہیں ہے، جن کا درجہ خدا کے بعد سب سے بلند ہے، فرشتے، عرش وکرسی، لوح وقلم، سب سے آپ کا درجہ بلند ہے؛ لیکن اس کے باوجود ''اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمدا عبدہ ورسولہ'' میں آپ صلی اللہ کے عبد ہونے کی گواہی تمام مسلمان دیتے ہیں، تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی عبد ہوئی تو خانہ کعبہ کس طرح معبود ومسجود ہو سکتا ہے؟؟

قرآن حکیم میں اللہ نے خانہ کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اللہ کی شان حاکم ہونے کی بیان کی ہے اور بندہ محکوم ہے، انسانوں کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم کو بجالائے تو کعبہ کو جب اللہ نے اپنی عبادت کی جگہ اور قبلہ قرار دیا ہے جو اس کی تجلیات کا مرکز ہے تو اللہ کے حکم سے مسلمان اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے ہیں، اس کی پرستش کی نیت نہیں کرتے، ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں مورتی پوجا کا حکم دیا گیا ہے، جب کہ قرآن میں کعبہ کی پرستش کا حکم نہیں دیا گیا، اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا ہے، اس کی عبادت کی غرض سے غیر اللہ کے سامنے مسلمان کی پیشانی کبھی نہیں جھک سکتی۔

خانہ کعبہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مرکز اور ان کے نزول کے لیے فرودگاہ کی حیثیت رکھتا ہے اور تجلی میں صاحب تجلی ہی کا عکس ہوا کرتا ہے اور عکس کو ذی عکس سے عینیت کی نسبت حاصل ہوتی ہے، اس لیے تجلی کی طرف

سجدہ خود معبود کی طرف سجدہ ہی کے مرادف ہوگا، اس نقطہ کی جس طرح انہوں نے مقدمات اور مثالوں سے وضاحت کی ہے، وہ ان کا ہی حصہ ہے اور اس میں خاص طور پر ان کے وہبی علوم کی ضو پاشیاں مکمل طور پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

انہوں نے ضمنی طور پر قرآن کے کلام اللہ ہونے اور وید کے کلام اللہ نہ ہونے پر بھی دلائل قائم کیے ہیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وخاتمیت، آپ کے محاسن اخلاق، کمال علم، اور آپ کے معجزات اور پھر ان معجزات کا دوسرے انبیاء کے معجزات سے موازنہ اور ان کی فوقیت وفضیلت کو بڑی خوبی سے ثابت کیا ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی قوت استدلال کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے کہ بعض ایسے مسائل جو دین کے بنیادی عقائد کا حصہ نہیں ہیں اور جن کی تائید میں کتاب وسنت کے صریح احکام وآیات یا واضح نصوص بھی نہیں ہیں اور ان کی حیثیت محض ایک ذوقی اور وجدانی مسئلہ کی ہے، حضرت نانوتویؒ کا ذہن ودماغ اگر ان کے لیے دلائل فراہم کرنے آجائے تو ''آب حیات'' جیسی دقیق کتاب وجود میں آجاتی ہے جس سے زیادہ مشکل کتاب اردو زبان میں نہیں پائی جاتی اور جسے ایک طرف حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی لفظ بہ لفظ تائید حاصل ہوتی ہے اور دوسری طرف حضرت شیخ الہندؒ جیسا یکتائے روزگار عالم سبقاً سبقاً حضرت نانوتویؒ سے پڑھنے پر مجبور ہوتا ہے تب جا کر اس کے مضامین مکمل طور پر ان کی گرفت میں آتے ہیں۔

اس کتاب میں جو مسئلہ زیر بحث ہے اور جس کی اس زور وقوت کے ساتھ وکالت کی گئی ہے، اس کی حیثیت کیا ہے؟ اس کے بارے میں خود حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں:

''میرا عقیدہ تو یہی ہے کہ ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا، مگر اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ میں شمار نہیں کرتا اور نہ اس کی تعلیم دیتا ہوں اور نہ انکار کرنے والے والوں سے دست وگریباں ہوتا ہوں اور خود کسی سے کہتا بھی نہیں، البتہ اگر کوئی پوچھتا ہے اور فتنہ وفساد کا اندیشہ نہیں ہوتا تو اظہار بھی کر دیتا ہوں''

اس میں مکمل طور پر وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ مسئلہ بنیادی عقائد کا نہیں ہے، اس کے باوجود حضرت نانوتویؒ کی قوت استدلال کا عالم یہ ہے کہ ''ہدیۃ الشیعہ'' میں باغِ فدک پر گفتگو کے دوران اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کیوں نہیں منتقل ہوسکتی اس بات کی طرف ان کے ذہن کا رخ ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور آپ کی زندگی پہلی زندگی سے بڑھ کر ہے، آپ کا جسم مبارک بھی محفوظ ہے؛ کیونکہ زمین انبیاء کے جسموں کو نہیں کھاتی، دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت ہیں، ہم سے درہم ودینار کی وراثت نہیں چلتی، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہوا کرتا ہے، پھر قرآن حکیم میں یہ صریح وواضح حکم ہے:

ان تنكحوا أزواجه من بعده أبدا

ان کے بعد ان کی بیویوں سے ہرگز نکاح نہ کرو۔

جب کہ شہداء کی ازواج سے عدت کے بعد نکاح ہوسکتا ہے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے کسی کے لیے نکاح کرنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا:

☆.....وراثت کا جاری نہ ہونا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا قرینہ ہے کہ زندہ کی وراثت تقسیم نہیں ہوسکتی۔

☆.....جسم مبارک کا حدیث کی رو سے محفوظ رہنا یہ بھی زندگی کا قرینہ ہے؛ جبکہ شہداء کو دوسرے جسم دیے جاتے ہیں۔

☆.....ازواجِ مطہرات سے کسی کے لیے نکاح بھی جائز نہیں، یہ بھی زندگی کا قرینہ ہے کہ زندہ آدمی کی بیوی اس کے زندہ ہوتے ہوئے کسی اور کی زوجیت میں نہیں جاسکتی۔

اب کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ خیال اپنی ندرت کے باوجود قرآن کریم حکیم کی آیت ''إنک میت و إنهم میتون ''(تم بھی مرنے والے ہو اور وہ سب بھی موت کا شکار ہوں گے) اور اس طرح کی دوسری آیات واحادیث اور واقعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے، قرآن حکیم کے اس واضح اعلان کے بعد کہ ''کل نفس ذائقة الموت '' (ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے)

اس کی گنجائش ہی کیا رہ جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات موت سے مستثنیٰ قرار پائے۔

حضرت نانوتویؒ بھی نہ اس سے غافل ہیں اور نہ اس حقیقت کے منکر ہیں؛ بلکہ فرماتے ہیں:

''اِنک میت و اِنہم میتون'' (تم بھی مرنے والے ہو اور وہ سب بھی موت کا شکار ہوں گے) اور دوسری آیت ''کل نفس ذائقۃ الموت'' (ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے) کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام کی موت کا اعتقاد ضروری ہے۔

لیکن ساتھ ہی آپ کا نکتہ آفریں ذہن اسی آیت سے اس مفہوم کی طرف منتقل ہوجاتا ہے کہ اللہ کے کلام معجز بیان و بلاغت نظام میں دو لفظ ''اِنک میت'' اور ''اِنہم میتون'' الگ الگ بیان کرنے میں بظاہر اس طرف اشارہ ہے کہ دونوں جگہ موت کی نوعیت الگ الگ ہے، ورنہ دو لفظ لانے کی ضرورت نہیں تھی، صرف ''اِنہم میتون'' کافی تھا۔

اب کسی پر موت طاری ہو اور حیات بھی باقی رہے، چونکہ ایک خلافِ عقل بات معلوم ہوتی ہے اس لیے حضرت نانوتویؒ اس کو سمجھانے کے لیے فرماتے ہیں کہ ''حیات وموت'' کا یہ اجتماع ایسے ہی ہے جیسے کشتی میں بیٹھنے والے کی حرکت وسکون، وہ بیک وقت ساکن بھی ہوتا ہے اور ''متحرک'' بھی، سکون اصل ہوتا ہے اور حرکت عرضی۔

مزید اس کو ذہن سے قریب کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ:

گرم پانی میں برودت اور حرارت دونوں بیک وقت ہوتی ہیں، حرارت کا اندازہ تو ہر شخص ہاتھ ڈال کر کرسکتا ہے اور برودت کی علامت یہ ہے کہ اس گرم پانی کو آگ پر ڈال دیا جائے تو اس سے آگ بجھ سکتی ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ ''گرم'' ہونے کے باوجود پانی کی اصل خاصیت ''برودت'' اس سے سلب نہیں ہوتی، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ''موت'' تو یقیناً طاری ہوئی لیکن آپ کی حیات کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا؛ بلکہ آپ کی حیات اسی طرح محدود ومنحصر ہوگئی جس طرح چراغ کے اوپر سرپوش ڈال کر اسے محدود کردیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ نہیں ہے، نہ اس طرح طرزِ استدلال سے تمام لوگوں کو اتفاق ہوسکتا ہے، اور حضرت نانوتویؒ خود ہی یہ وضاحت کرچکے ہیں کہ موت نبی اور غیر نبی سب پر طاری ہوتی ہے، مجھے جو بات کہنی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایک خالص ذوقی اور وجدانی مسئلہ پر جس طرح انہوں نے دلائل کے انبار لگائے ہیں وہ ان کی غیر معمولی ذہانت، بے پناہ قوت استدلال اور علمی عبقریت کی دلیل ہے، جس کو دیکھ کر حضرت امام مالکؒ کا امام اعظمؒ کے بارے میں وہی مقولہ یاد آتا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا: ''اگر وہ چاہیں کہ اس ستون کو سونے کا ثابت کردیں تو اپنی دلیل سے وہ اس کو ثابت کرسکتے ہیں''۔

مختلف مسائل میں حضرت نانوتویؒ کی قوت استدلال کو دیکھ کر یقین ہوجاتا ہے کہ بعض لوگوں کو اللہ کی طرف سے ایسی قدرت عطا کی جاتی ہے کہ کسی مسئلہ پر دلائل قائم کرنا ان کے لیے مشکل نہیں ہوتا۔

مثال کے طور پر سنت اور بدعت کے درمیان فرق ایک عام مسئلہ ہے جس کے بارے میں سینکڑوں علماء نے رائے زنی کی ہے اور ''سنت'' و ''بدعت'' کے دائرہ کار کو واضح کیا ہے کہ کون سی نو ایجاد باتیں بدعت کے دائرے میں آتی ہیں اور کون سی نہیں آتیں؛ لیکن حضرت مولانا نانوتویؒ کا ذہن جب اس مسئلہ کی عقدہ کشائی پر آتا ہے تو ان کی تفہیم وتوضیح کا انداز یہ ہوجاتا ہے:

''طبِ یونانی کے موجد سقراط وبقراط ہیں، انہوں نے امراضِ بدنی کے علاج کے لیے کچھ اصول وکلیات مقرر کیے ہیں، چنانچہ بعد کے اطباء انہیں کی روشنی میں دوا علاج تجویز کرتے ہیں اور ان سے سرمو انحراف نہیں کرتے، جب کہ قدیم زمانہ کے اطباء انسان تھے اور ان سے غلطی کا صدور بھی ممکن؛ بلکہ واقع ہے، بہت سے امراض بھی ایسے ہیں جو ان کے زمانے میں نہیں تھے پھر بھی عموماً حکماء واطباء ان قواعد کی پابندی کرتے ہیں۔

اس کے برخلاف خالق کائنات نے باطنی امراض کے علاج کے لیے کچھ اصول وکلیات وضع کیے ہیں، اللہ عالم الغیب ہے وہ ماضی، حال اور مستقبل سب سے واقف ہے، دنیا میں ان اصول وقواعد کی اشاعت کرنے والے پیغمبر

صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس شان کے ہیں کہ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

وما ینطق عن الھوی إن ھو إلا وحی یوحیٰ (وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتے جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتی ہے) اس لیے خداوندقدوس کے وضع کردہ اصول وکلیات میں غلطی کا احتمال نہیں ہے، قیامت تک کے باطنی امراض اللہ کے علم میں ہیں، جزوی امور میں جو تبدیلی ہوتی ہے دراصل کلیات میں اس کی گنجائش موجود ہوا کرتی ہے، مثال کے طور پر اگر طبیب نے مریض کے لیے شربت بنفشہ تجویز کیا ہو اور شربت عطار کے یہاں دستیاب نہ ہو تو اس کے اجزاء ترکیبی کا فراہم کرنا، ان کو برتن میں رکھنا، اس کے لیے آگ جلانا اور جوش دے کر شربت کی شکل دینا حکیم کے تجویز کردہ نسخہ کا ہی جز سمجھا جائے گا اور اسے کوئی شخص نو ایجاد اور خود کردہ امر نہیں قرار دے سکتا، اسی طرح قرآن کریم کی حفاظت اور تعلیم کے لیے اسے طبع کرنا، اس پر اعراب لگانا اس کی نشر واشاعت کرنا بھی بدعت نہیں کہا جاسکتا، احادیث کا مجموعہ تیار کرنا، مدارس کا قیام اور اسی طرح کے دوسرے کام نو ایجاد ہونے کے باوجود بدعت کے دائرے میں نہیں آتے؛ کیونکہ یہ دین میں اضافہ نہیں؛ بلکہ دین کے کلی ضوابط کی جزوی تطبیق وتشریح ہے، ہاں دین کے قواعد وضوابط میں کمی بیشی یا اس کے کسی جزئی حکم میں تبدیلی یہ یقیناً غلط اور بدعت کہلائے گی، اگر حکم کلی طور پر بدل دیا جائے تو یہ بدعت کبریٰ کہلائے گی اور اگر اس کی محض شکل بدل دی جائے اور اس میں مکمل طور پر ترمیم نہ کی جائے تو بدعت صغریٰ کہلائے گی''۔

اللہ کے علاوہ کسی کو علمِ غیب حاصل ہے کہ نہیں، اس سلسلے میں حضرت نانوتویؒ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے پہلے اس پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ جو مسائل امت میں متفق علیہ رہے ہیں، اس طرح کے مسائل پیدا کر کے ان اتفاقی مسائل کو اختلافی بنانے کی کوشش ہے، پھر کہتے ہیں کہ اگر میں اس مسئلے میں حقیقت لکھ بھی دوں تو مخالف کے ذہن میں فہم صحیح پیدا کرنا تو میرے بس میں نہیں ہے اور جو لوگ نہ معقولات میں درک رکھتے ہیں نہ منقولات کا انہیں علم ہے وہ انبیاء اور اولیاء کے مکاشفات والہامات اور رؤیائے صادقہ سے حاصل ہونے والے علم کو علم غیب کہنے لگیں تو یہ تو جہالت کی بات ہوگئی۔

پھر مسئلہ کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

''یہ سمجھ لیجیے کہ تمام مخلوقات زمانی ہیں اور اپنی تمام صفات کے ساتھ زمانہ میں موجود اور مقید ہیں، زمانہ حال میں موجود ہونے کی وجہ سے ہماری آنکھیں اور کان موجود چیزوں کا ادراک کرتے ہیں؛ لیکن زمانہ مستقبل کے موجودات کا ادراک نہیں کر سکتے اور زمانہ ماضی، حال اور مستقبل چونکہ ایک ساتھ پائے نہیں جاسکتے، اس لیے کہ زمانہ حال جب تک گزر نہ جائے، مستقبل کا ادراک نہیں کیا جاسکتا اور اس معاملہ میں مخلوق ہونے کی حیثیت سے انبیاء، اولیاء اور عام

انسان سبھی برابر ہیں، فرق یہ ہے کہ انبیاء کو وحی کے ذریعہ اور اولیاء کرام کو الہام کے ذریعہ اللہ کی طرف سے بعض باتیں بتادی جاتی ہیں تو وہ بتایا ہوا علم ہے وہ غیب نہیں کہا جاسکتا، جب کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ نے اپنی ذات کے لیے مخصوص رکھا ہے، وحی کے ذریعہ بھی وہ علم کسی کو نہیں دیتا۔ مستقبل کے علم کا احاطہ صرف خالق کون ومکان ہی کرسکتا ہے، اسی کی ذات ایسی ہے جس پر واللہ علی کل شیء محیط کا اطلاق کیا جاتا ہے۔''

غلط عقیدہ رکھنے والوں کے اعتراضات کے جواب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے استدلال کا اندازہ کیا ہوتا ہے؟، اس کے لیے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

آریہ سماجیوں کی طرف سے دین اسلام پہ ایک اعتراض یہ تھا کہ مسلمان کہتے ہیں کہ احکامِ خداوندی میں نسخ ہوا کرتا ہے؛ حالانکہ یہ خلاف عقل بات ہے؛ کیونکہ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ خدا نے پہلے ایک بات بے سوچے سمجھے کہہ دی اور اس کی خرابی سامنے آتی تو بات بدل دی اور دوسرا حکم دے دیا۔

حضرت نانوتویؒ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ کے احکام میں تغیر وتبدل ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کے ارادہ میں تغیر وتبدل ہوتا ہے؛ کیونکہ ہر حکم سے پہلے ارادہ ہوتا ہے تب حکم کا نفاذ ہوا کرتا ہے، اب اللہ تعالیٰ ایک شخص کو پیدا کرتا ہے پھر اسے مار ڈالتا ہے، اسی طرح ایک شخص کو صحت دیتا ہے، پھر اسے بیمار کردیتا ہے، پھر اسے شفا دیتا ہے، اسی طرح کسی کو راحت دیتا ہے پھر تکلیف میں مبتلا کرتا ہے، ارادہ میں یہ تبدیلی جب تمہارے یہاں خلاف عقل نہیں ہے تو حکم میں نسخ یا تبدیلی کو خلاف عقل کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ احکام میں تبدیلی مصلحتوں کی بناء پر کی جاتی ہے، جس طرح طبیب مریض کے لیے تجویز کردہ نسخہ میں حسب ضرورت تبدیل کرتا ہے اسی طرح اللہ رب العزت انسان کے حسب احوال الگ الگ حکم دے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ نسخ احکام کی حقیقت بھی یہی ہے۔

خالص فقہی مسائل میں بھی ان کا ذہن ایک خالص منطقی تسلسل کے ساتھ اصول وقواعد کے بیان کے بعد جزئیات کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے، مثال کے طور پر تراویح کی نماز کی رکعتیں بیس ہیں یا آٹھ؟ اس کے بارے میں اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱.....احکام کا اثبات صرف صحاح کی روایتوں پر منحصر نہیں ہے؛ بلکہ ثبوت حکم صحاح سے نسبتاً کم درجہ کی روایتوں سے بھی ہوسکتا ہے۔

۲.....روایتوں کی درجہ بندی صرف سند کے ذریعہ ہوتی ہے، نفس حدیث کے اعتبار سے نہیں؛ لہٰذا صحیح وضعیف کا

فیصلہ خالص انسانی ہے شارع کی طرف سے نہیں۔

۳.....مشہور اور متواتر روایتوں سے اہم ترین مسائل اور بنیادی عقائد کا اثبات ہوتا ہے۔

۴.....اخبارِ آحاد سے بنیادی عقیدہ کا اثبات نہیں ہوسکتا۔

۵.....ضعیف روایتوں کو بالکل نظر انداز نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ وہ بالکل موضوع روایتوں کے ہم پلہ نہیں ہوا کرتی ہیں۔لہٰذا

۱.....تراویح کو سنت مؤکدہ ثابت کرنے کے لیے صحاح سے کم تر درجہ کی روایتوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

۲.....حضرت عائشہ کی آٹھ رکعتوں والی روایت اور ابن عباسؓ کی بیس رکعتوں والی روایت کے درمیان تعارض کا دعویٰ جہالت پر مبنی ہے۔

۳.....تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کا آغاز حضرت فاروق اعظمؓ کی جاری کردہ سنت ہے جس پر تمام صحابہ کا اجماع ہوگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع کا بھی حکم دیا ہے ''علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین''؛ اس لیے اس کی پابندی بھی مسلمانوں پہ ضروری ہے۔

۴.....یزید بن رومان کی روایت اگر مرسل بھی ہو تو بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے یہاں حجت ہیں۔

۵.....نماز تراویح کو ہم جماعت کے ساتھ پڑھنے اور بیس رکعتوں کی پابندی کرنے کو حضرت عمر کی سنت سمجھتے ہیں، جس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو چکا ہے۔

یہ محض چند مثالیں ذکر کی گئی ہیں جن سے حضرت نانوتویؒ کی غیر معمولی ذہانت اور بے پناہ قوت استدلال کا اندازہ ہوتا ہے، تفصیلی طور پر معارفِ قاسمی کی ترتیب وتدوین کا انتظار کیجیے اور عصر حاضر کی زبان میں ان کے دلائل کو پیش کرنے کے لیے وقت اور محنت درکار ہے واللہ ولی التوفیق۔

☆☆☆

جن لوگوں نے مدارس کے موجودہ نظام کی داغ بیل ڈالی تھی ان کے سامنے ان سے زیادہ وسیع وعمیق مقاصد تھے جو اس قافلے کو آگے لے کر جانے والوں کے پیش نظر ہیں۔ یہ نظام اپنے ابتدائی مرحلے میں اگرچہ ظاہری تزک واحتشام سے محرومی اور بے سروسامانی کے عالم میں ہوا کرتا تھا؛ مگر دیانت وامانت تعلیم وتربیت، اتباع سنت، خوف خدا اور تسلیم ورضا کے وہ مناظر ہوتے تھے جو اَب ڈھونڈنے سے بھی ملنے مشکل ہوگئے ہیں۔ وہ واقعتاً چٹائیوں پر بیٹھنے اور چھپروں میں سر چھپانے اور بوسیدہ اوراق پڑھنے پڑھانے کے باوجود اپنے مدارس سے اسلام کے سپاہی اور مسلمانوں کے محافظ پیدا کرتے تھے۔

نماز میں دوسجدوں کی اصل اور حکمت

مولانا ابوالخیر عارف محمود
مدیر مدرسہ فاروقیہ کشروٹ گلگت

ارکان اسلام میں شہادتین کے بعد نماز سب سے بڑا رکن ہے، نماز سراسر بندگی ہے، اس کے ایک ایک رکن اور ایک ایک ادا میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت، وحدانیت ومعبودیت کا اعلان ہے اور اہل ایمان کی طرف سے اپنے رب کی بندگی کا اظہار ہے، نماز کی ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے مقرر کیے گئے ہیں، ان کی اصل کیا ہے؟ کیا اس تعداد میں بھی کوئی حکمت پوشیدہ ہے؟، فقہاء کرام نے اس پر گفتگو فرمائی ہے۔

چناں چہ علامہ بدرالدین محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین الغیتابی الحنفی العینی (المتوفی: ۸۵۵ھ) نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک رکعت میں ایک رکوع اور تکرار سجدہ کیوں ہے:

"قلت: مذهب الفقهاء أنه تعبد لا يطلب فيه المعنى كعدد الركعات، والسجدة الثانية فرض كالأولى بالإجماع، والجلوس بينهما قدر التسبيح "۔(البنایۃ شرح الہدایۃ (۲/۲۴۸)

اس حوالہ سے فقہاء کرام کا مذہب یہ ہے کہ نماز کی رکعات کی تعداد کی طرح یہ بھی امر تعبدی ہے، اس میں معنیٰ مطلوب نہیں، جب کہ بہ اجماع امت سجدہ ثانیہ سجدہ اولیٰ کی طرح ہی فرض ہے، دو سجدوں کے درمیان بقدر تسبیح بیٹھنے کا حکم ہے۔

علامہ ابن نجیم (المتوفی: ۹۷۰ھ) نے قرآن وسنت کو اس کی اصل اور اساس قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"وَالْمُرَادُ من السُّجُود السجدتان) فَأَصْلُهُ ثَابِتٌ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ وَكَوْنُهُ مَثْنًى فى كل رَكْعَةٍ بِالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ وهو أَمْرٌ تَعَبُّدِيٌّ لم يُعْقَلْ له مَعْنًى على قَوْلِ أَكْثَرِ مَشَايِخِنَا تَحْقِيقًا للابتلاء"۔(البحر الرائق (۱/۳۱۰)

ترجمہ: ''سجود سے مراد دو سجدے ہیں، سجدہ کی اصل کتاب اللہ، سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے،

ہر رکعت میں دو سجدوں کا ثبوت سنت نبوی اور اجماع امت سے ہے، ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک یہ امر تعبدی غیر معقول المعنی ہے جسے بطور ابتلا اس امت پر فرض کیا گیا ہے۔''

ہمارے مشائخ نے تکرار سجدہ میں مختلف حکمتوں کو بیان فرمایا ہے:

"وأما عند أهل الحكمة فقد اختلفوا فيه فقيل: ترغيما للشيطان؛ فإنه أمر بالسجود فلم يفعل، فنحن نسجد مرتين ترغيما له، وإليه أشار النبي – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – في سجود السهو، وقال: هما سجدتان ترغيما للشيطان "۔(البنایۃ شرح الہدایۃ:۲/ ۲۴۸، البحر الرائق:۱/ ۳۱۰)

بعض نے فرمایا تکرار سجود میں شیطان مردود کی تذلیل کا اظہار ہوتا ہے، اسے اللہ نے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا اس نے انکار کیا، ہم دو دفعہ سجدہ شیطان کی تذلیل کے اظہار کے لیے کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سجدہ سہو کی بابت فرمایا کہ یہ دو سجدے شیطان کی تذلیل کے اظہار کی وجہ سے کیے جاتے ہیں۔

بعض نے فرمایا کہ پہلا سجدہ امر الٰہی کو بجالانے کے لیے کیا جاتا ہے اور دوسرا تذلیل شیطان کو ظاہر کرنے کے لیے کیا جاتا ہے:

"وَقِيلَ الْأُولَى لِامْتِثَالِ الْأَمْرِ وَالثَّانِيَةُ تَرْغِيمًا له حَيْثُ لم يَسْجُدْ اسْتِكْبَارًا "۔(البحر الرائق:۱/ ۳۱۰)

یعنی پہلا سجدہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں کیا جاتا ہے اور دوسرا شیطان کی تذلیل کو ظاہر کرنے کے لیے کیا جاتا ہے، کیوں اس نے تکبر کی وجہ سے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو سجدہ نہیں کیا تھا۔

ایک حکمت یہ بیان کی گئی ہے:

"وَقِيلَ الْأُولَى لِشُكْرِ الْإِيمَانِ وَالثَّانِيَةُ لِبَقَائِهِ"۔(البحر الرائق:۱/ ۳۱۰)

یعنی پہلا سجدہ ایمان پر شکرانہ کے طور کیا جاتا ہے جب کہ دوسرا بقاءِ ایمان کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ پہلا سجدہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اللہ نے زمین یعنی مٹی سے پیدا کیا ہے اور دوسرا سجدہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس انسان نے اسی مٹی کی طرف واپس لوٹ کر جانا ہے، اس کی دلیل سورہ طٰہٰ کی یہ آیت ذکر کی گئی ہے: قال تعالی: **مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ** (طٰہٰ: الآیۃ ۵۵)

یعنی اس زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی زمین میں ہم تمہیں لوٹائیں گے۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ سجدہ اولیٰ تو ذریت آدم سے لیے گئے عہد و پیمان کی تصدیق کے لیے کیا جاتا ہے جب کہ سجدہ ثانیہ اس سجدہ کی توفیق ملنے پر بطور شکر کے کیا جاتا ہے:

"وقيل: لما أخذ الله الميثاق على ذرية آدم – عَلَيْهِ السَّلَامُ – حيث قال: وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ [الأعراف: ۱۷۲]، أمرهم بالسجود تصديقا لما قالوا، فسجد الملائكة والمؤمنون كلهم ولم يسجد الكفار، فلما رفعوا رؤوسهم ورأوهم لم يسجدوا، سجدوا ثانيا شكرا لما وفقهم الله تعالى، صار المفروض سجدتين ."

(البنایۃ شرح الہدایۃ: ۲/ ۲۴۸، البحر الرائق: ۱/ ۳۱۰، ینظر: المبسوط: ۱/ ۵۰، والعنایۃ شرح الہدایۃ: ۲/ ۱)۔

جب اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت سے عہد و پیمان لیا اور یہ فرمایا کہ جب تمہارے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں؟۔ تو ان کے اقرار کی تصدیق کے لیے انہیں سجدہ کا حکم دیا، چناں چہ تمام فرشتوں اور اہل ایمان نے امتثال امر میں سجدہ کیا اور کفار نے سجدہ نہیں کیا، اہل ایمان نے جب سجدہ سے سر اٹھا کر دیکھا کہ کفار نے سجدہ نہیں کیا تو انہوں نے اللہ کی طرف سے انہیں سجدہ کی توفیق ملنے کے شکرانہ کے طور پر دوسرا سجدہ بھی کیا، یوں دو سجدے ان پر فرض کیے گئے۔

اللہ تعالی سے دعا کہ ہم سب کو اپنی بندگی نصیب فرمائے اور پانچ وقت باجماعت نماز کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔☆☆

نفاق کے اسباب و مظاہر

الامام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مایہ ناز کتاب ''الفوز الکبیر'' نفاق کے چھ اسباب ذکر کیے ہیں:

(۱) قوم کی بیجا محبت اور اس کی اندھی تقلید کرنا۔ (۲) دنیا کی محبت میں ایسا مغلوب ہوجانا کہ اللہ و رسول کے احکام کا خیال ہی نہ آئے۔ (۳) حب جاہ اور حب مال میں مبتلا ہوجانا کہ حرص، بخل، بزدلی اور دیگر بیماریوں کا شکار ہوجانا۔ (۴) حصول معاش میں ایسا مصروف ہوجانا کہ دین و آخرت کا دھیان نہ رہے۔ (۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور احکام شریعت کے متعلق الٹے سیدھے وساوس کا شکار ہوجانا، (مگر وہ دائرہ اسلام سے خروج کا سبب نہ بنتے ہوں)۔ (۶) خاندان، قوم، قبیلہ، وطن کی محبت میں دین کے احکام کو نظر انداز کرنا، یا ان کے مفادات کو احکام شریعت پر ترجیح دینا۔ (مولانا مفتی سمیع الرحمن۔ آسان اصول تفسیر)

نظام مساجد اور ہماری ذمہ داریاں

مولانا مفتی امانت علی قاسمی

اسلام میں مساجد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور طرز عمل سے مساجد کا کردار، مساجد کی اہمیت اور اس کے آداب وتقاضے معلوم ہوجاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو خود اپنا گھر تعمیر کرنے سے پہلے آپ نے مسجد کی تعمیر کی طرف توجہ دی۔ مساجد کے بنیادی کاموں میں عبادات، تلاوت قرآن اور ذکر واذکار شامل ہے۔ ایک مرتبہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کردیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ مساجد اس طرح کی گندگی پھیلانے کی جگہ نہیں ہے؛ بلکہ مساجد نماز، اذکار اور قرآت قرآن کے لیے ہے۔

إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول، ولا القذر إنما هي لذكر الله عز وجل، والصلاة وقرائة القرآن او كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فأمر رجلا من القوم فجاء بدلو من ماء فشنه عليه (صحیح مسلم، باب وجوب غسل البول وغیرہ من النجاسات إذا حصلت فی المسجد، وان الارض تطہر بالماء، من غیر حاجۃ إلی حفرہا حدیث نمبر: ۲۸۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کے احترام کی بڑی تلقین فرمائی اور مساجد میں شوروغل، کرنے، مساجد کی بے توقیری کرنے اور مساجد میں گندگی پھیلانے سے منع فرمایا؛ اسی وجہ سے بہت چھوٹے بچوں کو جو مساجد میں پیشاب کرکے مساجد کو ناپاک کرسکتے ہیں آپ نے ان کو مسجد میں لانے سے منع فرمایا:

عن واثلة بن الاسقع، ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم، وشراركم، وبيعكم، وخصوماتكم، ورفع اصواتكم وإقامة حدودكم، وسل سيوفكم، واتخذوا على ابوابها المطاهر، وجمروها فی الجمع (سنن ابن ماجہ، باب ما یکرہ فی المساجد، ۷۴۹)

حضور صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بچوں، مجنونوں اور شرارت پسندوں سے اپنی مساجد کو دور رکھو، اسی طرح مساجد میں خرید وفروخت کرنے اور مقدمات کے فیصلہ کرنے، آواز بلند کرنے، حدود قائم کرنے اور تلوار سونتنے سے بچو! اور مسجد کے دروازے پر وضوخانہ بناؤ اور مسجد میں جمعہ کو دھونی دو۔

اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ عہد نبوی میں اور عہد صحابہ میں نماز واعتکاف کے علاوہ دیگر اجتماعی اعمال جن کا

تعلق مفاد عامہ سے تھا مساجد میں انجام دیا جاتا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قیدیوں کو مساجد میں قید کیا جاتا تھا،عہد صدیقی تک مساجد کو قید خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں باضابطہ قید خانہ تعمیر کیا گیا اور اس نظام کو مساجد سے علیحدہ کیا گیا۔

لم یکن فی عهده صلی اللّٰه علیه وسلم وابی بکر سجن، إنما کان یحبس فی المسجد او الدهلیز حتی اشتری عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه دارا بمکة باربعة آلاف درهم واتخذه محبسا. (ردالمحتار،فصل فی الحبس،۵/ ۳۷۷)

عہد نبوی میں مسجد میں مجاہدین اسلام شمشیر زنی اور نیزہ کی مشق کیا کرتے تھے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مسجد میں حبشی مسلمان نیزہ کی مشق کر رہے تھے میں نے یہ مشق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں کے سہارے سے دیکھی۔اسی طرح عہد نبوی میں مساجد میں کھانا پینا بھی ہوتا تھا؛ اس لیے کہ اس وقت بہت سے مسلمانوں کے پاس رہنے کے لیے گھر نہیں تھا وہ لوگ مسجد میں سوتے اور مسجد میں کھانا کھاتے تھے۔حدیث میں ہے عبداللہ بن حارث بن جز کہتے ہیں:

کنا ناکل علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی المسجد الخبز و اللحم

''ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد میں گوشت روٹی کھاتے تھے۔'' (ابن ماجہ،باب الاکل فی المسجد،۱/ ۲۴۵،حدیث نمبر:۳۳۰۰)

حضرات فقہا نے معتکف اور مسافر کے لیے مسجد میں سونے کو مطلقا جائز لکھا ہے اور غیر معتکف کے لیے سونے کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے،بعض لوگوں نے بوقت ضرورت بلا کراہت جائز کہا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جوانی میں مسجد میں سونا ثابت ہے؛ بلکہ امام بخاریؒ نے ایک باب ''باب نوم المراۃ فی المسجد'' کا قائم کیا جس میں انہوں نے عورتوں کے لیے مسجد میں سونے کو ثابت کیا ہے۔

اسی طرح مفاد عامہ سے متعلق چیزوں کو مسجد میں رکھنے کی اجازت ہے یعنی ایسی چیز جو کسی خاص کی ملکیت نہ ہو بلکہ اس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو مسجد میں رکھی جاسکتی ہے اور وہاں بیٹھ کر مسلمانوں میں تقسیم بھی کی جاسکتی ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مال غنیمت اور صدقات کے اموال مسجد میں تقسیم ہوتے تھے۔ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ:موسم گرما میں پینے کا پانی رکھا جاسکتا ہے (فتح الباری ۱/ ۳۴۹)۔

مساجد میں تعلیم کی تاریخ بھی مساجد کی طرح ہی قدیم ہے۔اسلام کے ابتدائی زمانے میں جہاں جہاں مسجدیں قائم ہوئیں ان میں نظام جمعہ و جماعت کے ساتھ تعلیم کا بھی نظم تھا۔مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ نے ''اسلام کا

نظام مساجد‘‘ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک مساجد میں تعلیم کا نظام جاری رہا ہے کتب احادیث و تراجم میں متعدد مدرسوں کے نشانات ملتے ہیں جو مسجدوں میں قائم تھے جہاں مدرسین بلا معاوضہ درس و تدریس کا سلسلہ جاری کئے ہوئے تھے۔ ہندوستان کی چند ایسی قدیم مساجد ہیں جن سے مدرسہ کا کام لیا جاتا تھا ان میں جون پور میں اٹالہ کی مسجد، لاہور میں وزیر خان کی مسجد، نئی دلی میں ماہم بیگم کی مسجد، پرانی دہلی میں مسجد فتحپوری اور سورت میں مرجان شامی کی مسجد خصوصیت سے قابل ذکر ہے (اسلام کا نظام مساجد ص: ۱۹۸)

بہر حال اسلام میں مساجد کا جو تقدس ہے اس کی عظمت کا تقاضا یہی ہے کہ مساجد کو شور وغل اور عبادت کے علاوہ دیگر غیر ضروری مشاغل سے پاک رکھا جائے، اسی وجہ سے دھیرے دھیرے جیسے جیسے سہولیات ہوتی گئیں مساجد سے دیگر امور کا استثنی ہوتا رہا یہی وجہ ہے اب حضرات فقہاء عام آدمی کے لیے بلا ضرورت مسجد میں کھانے پینے او رسونے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اسی طرح مسجد میں سیاسی پروگرام کرنے یا ورزش اور دیگر کھیل کود سے منع کرتے ہیں۔ جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے تو حضرات علماء نے آج بھی غیر اقامتی دینی تعلیم کی اجازت دی ہے؛ چنانچہ آج بھی مسجد نبوی اور مسجد حرام میں تعلیم کے حلقے لگتے ہیں۔ اس لیے کہ بلا اجرت کے اس طرح تعلیم دینا یہ عبادت ہے اور مساجد عبادت کا محل ہیں۔

آج مساجد کے نظام کو بہت زیادہ محدود کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کا مساجد سے جس قدر مضبوط رشتہ رہنا چاہیے وہ قائم نہیں رہا ہے۔ آج مساجد کو صرف نماز کی حد تک خاص کر دیا گیا ہے؛ بلکہ بعض مساجد میں اعلان چسپاں ہوتا ہے کہ نماز کے علاوہ دیگر امور یہاں ممنوع ہیں، یہ مسلمانوں کے لیے نیک فال نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حالات کی وجہ سے بعض ناگزیر فیصلے لینے پڑتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ مساجد کے نظام کو معطل کر دیا جائے، آج مساجد کے نظام کو بحال کرنے کی شدید ضرورت ہے اس سے مسلم سماج میں دینی شعود بیدار ہوگا۔

☆ مساجد میں جو کام آج بھی کئے جا سکتے ہیں اور کرنے چاہیے ان میں یہ ہے کہ ہر مسجد میں امام ومئوذن کو لازمی طور پر رکھا جائے اور اس مسجد کے نمازی اس کے اخراجات برداشت کریں، اسی کے ساتھ ہر مسجد میں مکتب کا نظام قائم کیا جائے۔ جب ہر مسجد میں امام وموذن ہوں گے تو اس طرح کم از کم دو مکاتب لازمی طور پر قائم ہو سکتے ہیں او رمساجد کے امام وموذن کی امامت کے علاوہ دوسرے دینی کام سے وابستگی بھی ہوگی اور ان کے معاشی مسائل کا بھی کچھ مداوا ہوگا۔ نظام مکاتب کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہوگا کہ بچوں کا تعلق مسجد سے مربوط ہوگا اس طرح مسلم بچے اور بچیاں مسجد کے ماحول سے مانوس ہو کر اسلامی نظام سے مربوط ہوں گے موجودہ ماحول میں جب کہ مغرب کی آندھی

ہر طرف چل رہی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ طوفان بلا خیز ہماری تہذیبوں کو بہالے جائے گا ضروری ہے کہ مساجد کے ذریعہ ایسی مضبوط باندھ قائم کی جائے کہ کوئی بھی ناگہانی سیلاب کی ہم روک تھام کرسکیں۔

☆ ہر مسجد میں تعلیم قرآن اور تعلیم بالغان کے حلقے قائم کئے جائیں، آج بھی مسجد نبوی اور مسجد حرام میں بلکہ عرب کی اکثر مساجد میں یہ حلقے لگتے ہیں جس سے عام لوگوں میں تصحیح قرآن کی رغبت قائم ہوتی ہے۔ بے دینی کے اس ماحول میں ہمارے درمیان ایک بڑا طبقہ ہے جو قرآن کی تعلیم سے دور ہے آج قرآن سے جوڑنے کے لیے اس طرح کے حلقے قائم کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

☆ دینی مسائل کے حلقے لگائے جائیں علماء اور ائمہ کی ذمہ داری ہے کہ فی سبیل اللہ کچھ وقت مساجد کے لیے مختص کریں اور یہ اعلان کریں کہ دینی وسماجی مسائل کی رہنمائی کے لیے آپ فلاں وقت میں تشریف لائیں۔ صورت حال یہ ہے کہ آج طلاق کا مسئلہ بتانے والا کوئی نہیں ہوتا ہے اس لیے جذبات میں آکر ہمارے نوجوان طلاق دے دیتے ہیں پھر جب ان کو بتایا جاتا ہے کہ اب تعلقات کی بحالی کی کوئی صورت نہیں ہے تو بہت پریشان ہوتے ہیں اس میں کسی حد تک ہمارا بھی قصور ہے کہ ہم نے اس طرح کا ماحول قائم نہیں کیا جس سے وہ عائلی اور سماجی مسائل میں رہنمائی حاصل کرسکیں۔ اگر اس طرح مساجد میں مسائل کے بتانے کا نظام قائم کیا گیا ہے تو مسجد کا مرکزی کردار بحال ہوگا اور مساجد سے امت کو وہ روشنی ملے گی جس کی اس وقت ضرورت ہے۔

☆ مساجد میں ہر محلّہ کی ایک کمیٹی بنائی جائے جو سماج میں موجود برائی پر نظر رکھے اور منکرات کی روک تھام کے لیے لائحہ عمل طے کرے، طلاق ونکاح کے جو واقعات ہوتے ہیں اس کی روک تھام اور اصلاح کی جدوجہد کی جائے۔ میراث کی تقسیم میں جو خاندانی اختلافات بسا اوقات پورے علاقے کے لیے مشکلات کا باعث بن جاتے ہیں اس کو قابو میں لانے کی کوشش کی جائے۔ اس میں علماء کرام کے ساتھ سماج کے ذمہ دار حضرات شریک ہوں اور سماج میں موجود خرابی کا خاتمہ کرنے کی کوشش کریں اس لیے کہ اگر سماج کے باشعور طبقہ نے اس طرف توجہ نہیں دی اور صرف اپنے گھر تک اپنے اصلاحی مشن کو محدود رکھا تو معاشرے میں موجود منکرات کی چنگاری ایک دن پورے معاشرے کو خاکستر کردے گی۔ یہ کمیٹی سماج میں موجود کمزور وخستہ حال لوگوں پر بھی نظر رکھے، جو بچے غربت ومفلسی کی وجہ سے تعلیم سے محروم ہیں ان کی تعلیم کی فکر کرے، جو بیوہ کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہے اور ان کے گزارے کا کوئی نظم نہیں ہے وہ کمیٹی چاہے تو اپنی زکوۃ کی رقم سے ان کی مدد کرے اگر اس جانب توجہ دی گئی تو مساجد بنیادی کردار ادا کریں گے اور ایک خوش حال دیندار، خوش گوار اور آئیڈیل معاشرہ وجود میں آئے گا۔

دینی مدارس کا تہذیبی کردار

ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن

دینی مدارس برعظیم پاک و ہند کی تاریخ کا تسلسُل بھی ہیں اور اس کا ناگزیر حصہ بھی، اس طرح کہ برعظیم پاک و ہند کی تاریخ ان مدارس کے ذکر کے بغیر نہ تو مکمل ہوسکتی ہے نہ ہی اس خطے کے تہذیبی پس منظر اور روایت کی تفہیم کا مرحلہ آسان ہوسکتا ہے۔ یہ اتنی بڑی حقیقت ہے، جس سے شاید خود ہمارے مدارس کے اس وقت کے متعلقین بھی پوری طرح واقف نہ ہوں، کیوں کہ ان کی گفت گو میں یہ تصور کم کم اور خال خال ہی دکھائی دیتا ہے۔ ہم اس ضمن میں چند نکات پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

مدارس اور قدیم تعلیمی روایت:

ہمارا مدرسہ اس قدیم تعلیمی روایت کا امین ہے، جس کی بنیاد رسمی ہوتے ہوئے بھی غیر رسمی تھی، جہاں آنے والوں کا مقصد محض دینی تعلیم تھا، جہاں استاد اور طالب علم کا باہمی رشتہ کچھ نظریات پر استوار ہوتا، اور جہاں پڑھتے ہوئے پڑھانے کی مشق بھی آپ سے آپ ہوجاتی تھی۔ اس وقت تعلیم انسان کے لیے کسی بھی عنوان سے کسب کا ذریعہ نہیں تھی۔ یہ بحث کہ انسان دینی تعلیم حاصل کر کے اسے ذریعہ معاش بنا سکتا ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ فضلائے مدارس کو ملازمت کرنی چاہیے یا نہیں؟ اور دینی تعلیم اور ملازمت میں کیا رشتہ ہے؟ ایک الگ عنوان ہے، اور ہم دوسری جگہ اس پر اپنا موقف پیش بھی کر چکے ہیں، لیکن وہ قدیم طرز تعلیم یہی تھا کہ اس سے وابستگی صرف اور صرف تعلیم کے لیے تھی، اس وقت بھی اس نظام کے تحت پڑھنے پڑھانے والے دونوں طرح کے لوگ ہی تھے، انتہائی متمول بھی اور انتہائی فاقہ کش بھی، مگر مکتب میں آکر سب برابر ہوجاتے اور اس ماحول میں کبھی اس نوع کی طبقاتی تقسیم یوں بھی پروان نہ چڑھ سکی کہ وہاں کوئی متمول تھا تو وہ بھی فاقہ کشوں کا قدردان تھا، اور اس خاموشی سے ان کی کفالت کرتا کہ متعلقہ فرد اور خدائے واحد کے سوا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ یہ بات محض سرزمین ہندوستان میں مروج دینی تعلیمی نظام کی ہی کی خوبی نہیں، قرن اول سے مسلمانوں کا یہی طریق چلا آرہا ہے۔ موجودہ نظام مدارس اس حوالے سے اسی کا تسلسُل ہے، اور اس نوع کے سلسلہ تعلیم کی چند بچی کچی جھلکیاں اب یہیں باقی ہیں۔

الف: اس نظام کا ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ اس میں داخل ہونے والے طلبہ بعض اوقات پانچ پانچ اور سات سات برس تک اپنے گھروں سے بالکل لاتعلق رہتے تھے، اپنے گھر بار سے اس نوعیت کی لاتعلقی مکمل طور پر خود اختیاری تھی۔

اس کی شرعی حیثیت میں جائے بغیر یہ نکتہ بھی ہمارے لیے قابل غور ہونا چاہیے کہ آخر اس نظام میں ایسی کیا کشش تھی کہ انسان اپنے خونی اور انتہائی قریبی رشتوں سے یکسر لاتعلق ہوکر اتنا عرصے گھر سے باہر گزارنے پر کیوں کر آمادہ ہو جاتا تھا۔ پھر اس دوران اس کی ضرورتوں کی کفالت بھی اسی نظام تعلیم یا اس سے تعلق اور عقیدت رکھنے والے کچھ افراد کے ذمے تھی۔ ان میں مدرسے کے منتظمین، خصوصاً اساتذہ یا اس مدرسے کے سرپرست اہل ذوق اور اہل خیر حضرات شامل تھے۔

ب: اس نظام تعلیم کا ایک امتیاز اس میں پڑھائے جانے والے مضامین ہیں، جن میں سے بعض مضامین کو شاید آج کی دنیا غیر متعلق بھی قرار دے، لیکن ان کا وجود کسی نہ کسی صورت انہیں مدارس کی برکت سے قائم ہے۔ مثال کے طور پر قدیم فلسفہ اور منطق، اسی طرح قدیم ادب عربی کی بعض اہم کتب، جن کی تدریس کی روایت بعض غیر ملکی جامعات کی محدود ترین دنیا کے سوا کہیں موجود نہیں۔

ج: برعظیم پاک و ہند کا روایتی مدرسہ اس خطے کے عوام میں نہایت گہری جڑیں رکھتا ہے، گو کہ عوام کے تصورات، تاثرات، اہل مدارس سے ارادت کی شکلیں، تعلق کی نوعیتیں اور تعامل کی صورتیں جغرافیائی اعتبار سے مختلف ہوتی جاتی ہیں، مگر سب کا خلاصہ عوام کا ان سے گہرا ربط ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس ربط کے مظاہر درجنوں ہیں، مگر انہیں جاننے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ صرف پاکستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے چھوٹے بڑے مدارس کی تعداد لاکھ بھر سے زیادہ ہے، اور ان سے وابستہ طلبہ کی تعداد کئی لاکھ، تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے سالانہ اخراجات یقیناً اربوں میں ہوں گے، مگر کیا باور کیا جاسکتا ہے کہ یہ اخراجات پہلے سے کسی منصوبہ بندی کے بغیر محض توکل علی اللہ پورے ہوتے ہیں، اور جلد یا بہ دیر ہر مدرسے کے پورے ہوجاتے ہیں، جب کہ ان میں بعض مکاتب فکر سے وابستہ ایسے مدارس چند ایک ہی ہوں گے، جنہیں کسی بھی نوعیت کی کوئی گرانٹ ملتی ہو۔ یہ مالی اعتبار سے انتہائی کم درجے کے اہل خیر حضرات سے لے کر انتہائی بڑے درجے کے اہل خیر حضرات کی خاموش امداد سے ہی ممکن ہوتا ہے، یہ امداد بہ جائے خود اس ربط وتعلق کی کھلی دلیل ہے۔

لباس:

مدارس کی تہذیبی روایت میں لباس بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے، یہ عامل اس حد تک قوت کا حامل ہے کہ اس میں مبالغے نے بھی بہت سے ناپسندیدہ اثرات مرتب کیے ہیں، مگر اس بات سے مدرسے کے اس تہذیبی پہلو کی اہمیت دو چند ہوجاتی ہے۔ لباس انسان کا تعارف ہے، اور ہر خطے کا امتیازی پہلو، مگر مسلمانوں کے دور مغلوبیت نے

ہمیشہ کی طرح ان پر جہاں ذہنی حوالے سے اثرات مرتب کیے، وہیں تہذیبی حوالوں سے بھی ان کی زندگی تشکیک اور انفعالیت کا شکار ہوئی، ایسے میں فقط مدرسہ بہ طور ادارہ اس انفعالیت کے سامنے سدراہ کے طور پر کھڑے رہنے میں کام یاب ہوسکا۔ آج ہمارا کرتا پاجامہ، شلوار قمیض، واسکٹ اور شیروانی، ٹوپی اور پگڑی اگر کہیں موجود ہے، اور محفوظ ہے تو وہ یا تو مدرسہ ہے، یا اس سے متاثر ومستفاد کوئی اور ادارہ۔ کہنے میں یہ ایک معمولی بات ہے، مگر جس دنیا میں کم زور پڑتے اور مٹتے ہوئے آثار تہذیب کے تحفظ کے لیے عالمی سطح پر حکومتی سرپرستی کے ساتھ جداگانہ ادارے موجود ہوں، وہاں مدارس کی اس تہذیبی اہمیت کو پوری قوت کے ساتھ محسوس کیا جانا چاہیے۔

زبان:

برعظیم پاک و ہند کے مدارس کی تعلیمی زبان اردو ہے۔ گوکہ افغانستان اور اس سے متصل پاکستان کے بعض علاقوں میں پشتو میں بھی تعلیم دی جاتی ہے، اسی طرح سندھ میں بھی بعض جگہوں پہ سندھی بھی بہ طور زبان تدریس استعمال ہورہی ہے، لیکن ان کا دائرہ نہایت محدود ہے۔ اس کے علاوہ اس پورے خطے میں دینی مدارس میں تدریس کے لیے اردو ہی استعمال ہورہی ہے۔ اس عمل نے اردو زبان کے فروغ میں نہایت غیر معمولی کردار ادا کیا ہے، اور آج اگر اردو دنیا میں نہایت بڑے پیمانے پر بولی اور سمجھی جانے والی چند زبانوں میں سے ایک ہے تو اس میں مدارس کا بہت بڑا حصہ ہے۔ پاکستان اور ہندوستان میں ایسے بھی بہت سے مدارس موجود ہیں، جہاں پچاس پچاس ممالک کے طلبہ مقیم ہیں اور زیر تعلیم بھی۔ یہ طلبہ آپس کے میل جول سے اردو زبان سیکھتے اور سمجھتے ہیں اور پھر اردو سے ان کا یہ رشتہ تازیست برقرار رہتا ہے۔ افریقہ سے امریکا اور ایشیا سے یورپ تک دنیا بھر میں اردو پڑھنے لکھنے والے لوگ جس قدر بھی موجود ہیں ان میں بڑا حصہ مدارس یا ان مدارس سے اٹھنے والی تحریکوں سے متاثر ہے اور ان ہی کے طفیل وہ اردو سے واقف ہیں۔ ہم اگر اپنے قریب کے ممالک میں ہی دیکھیں تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ سرکاری سطح پر انڈیا میں ہندی اور بنگلہ دیش میں بنگلہ کو اردو کے مقابل خاص عصبیت کے ساتھ مروج کیا گیا، مگر دونوں جگہ اردو آج بھی موجود ہے، اور بولی، لکھی اور پڑھی جارہی ہے جس کا سب سے اہم سبب وہاں وموجود دینی مدارس ہیں۔

اردو سے واقفیت کی یہ دنیا محض پڑھنے پڑھانے یا بولنے اور سمجھنے تک محدود نہیں، بل کہ یہاں سے بہت بڑی تعداد میں لٹریچر بھی تیار ہورہا ہے، جس کا اہم حصہ ادب اور متعلقات ادب سے بھی تعلق رکھتا ہے۔

یوں مدارس کے تہذیبی کردار میں فروغ زبان کے ساتھ ساتھ فروغ ادب کا پہلو بھی نمایاں اور قابل ذکر ہے۔ تفصیل کا محل نہیں، اس باب میں مدرسے اور مولوی کی خدمات صرف اردو ادب تک بھی محدود نہیں، اس میں عربی اور فارسی کا انتہائی بڑا اور قابل قدر وقابل ذکر حصہ بھی شامل ہے۔

برعظیم کی معاشرت اور مدارس:

مدارس کے تہذیبی کردار کو جاننا ہو تو برعظیم پاک و ہند کے مسلم معاشرے کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے، اور اسے نظر انداز کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں ہے۔ برعظیم پاک و ہند کا کوئی بھی انسان اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ اس خطے کی عام روایت کے مطابق آج سے کچھ عرصے پہلے تک تو ہر نومولود بچے کے نام رکھنے سے لے کر باقی تمام امور تک محلے یا برادری کے مولوی کا وجود ناگزیر تھا، اب وہ کیفیت پوری طرح تو موجود نہیں، لیکن اس کیفیت میں کمی بھی محض شہروں کی حد تک ہے، دیہاتوں میں مولوی کے اس نوعیت کے گہرے سماجی اثرات آج بھی موجود ہیں۔ پھر یہ روایت آگے بڑھتی ہے تو خصوصیت کے ساتھ نکاح اور اس سے بھی زیادہ وفات اور اس سے منسلک درست یا بعض غیر درست رسومات کی صورت میں مولوی اور مدرسے کے ساتھ سماج کا تعلق نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ ہمارے برعظیم میں مرنے اور جینے کے حوالے سے بہت سی رسومات ہیں، کسی حد تک ان میں مبالغے نے دینی مزاج کے برعکس ایسے رجحان بھی پیدا کیے ہیں جو ہماری عمومی دینی روایت کے یا تو منافی ہیں یا اس کے مقابل ہیں یا کم از کم وہ دینی مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہیں، لیکن اس سے قطع نظر ہم صرف سماجی دائرے میں ان رسومات کے اثرات کو دیکھنا چاہتے ہیں، اس کا اظہار ان تمام امور سے بہ خوبی ہوتا ہے، چاہے ولادت سے متعلق روایات و رسومات ہوں، چاہے نکاح کی روایت ہو، یا پھر وفات سے وابستہ رسوم و رواج، یعنی وفات، غسل و تکفین، نماز جنازہ، تدفین و دعا۔ اس کے بعد سوئم اور دسویں اور چالیسویں کی روایت یا پھر بزرگان دین کے ایام مناتے ہوئے ان کے عرس اور مذہبی اجتماعات غیرہ کی روایت، نیز محرم، ربیع الاول، معراج، رمضان اور دیگر مذہبی تہواروں کے موقع پر ہمارے عمومی اور مختلف النوع مسلکی رواج و رسوم وغیرہ سب مولوی کی اہمیت ہمارے سامنے بیان کرتے نظر آتے ہیں، اور مولویت کے رشتے سے ہمارے سماج میں مدرسے کی گہرائی تک پیوست جڑیں محسوس کی جاسکتی ہیں۔ مدرسہ اور مدرسے کی بنیادی تخلیق مولوی معاشرے سے جن بنیادوں پر منسلک ہے، ان کے بعض مظاہر ہم علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

افتاء:

ہمارے معاشرے کا کوئی فرد چاہے کسی قدر دین سے عملی طور پر لاتعلق کیوں نہ ہو، چند بنیادیں ہر ایک کے لیے ایسی واضح موجود ہیں جو اسے بھی مدرسے اور مولوی سے منسلک رکھتی ہیں، ان میں ایک دارالافتا ہے۔ آج ہر بڑے مدرسے کے ساتھ ایک دارالافتا موجود ہے، اور اب تو یہ کیفیت ہے کہ آن لائن افتا اور اس کے ساتھ ساتھ واٹس اپ وغیرہ پر ہر وقت پیش آمدہ مسائل جاننے کی سہولت میسر ہے۔ اس قسم کے دارالافتا سے جو سوالات عام طور پر کی جاتے

ہیں ان میں دو تین نوعیتیں نمایاں ہیں، اکثر سوالات نکاح اور طلاق کے حوالے سے کیے جاتے ہیں، یا پھر وراثت کے معاملات میں دارالافتا سے رجوع کیا جاتا ہے، خاص طور پر وراثت نیز نکاح وطلاق کے معاملے میں ہماری بعض عدالتیں بھی ان فتاویٰ کو اہمیت دیتی ہیں اور انہیں اپنے فیصلوں میں ذکر کرتی ہیں۔ اب چاہے جو بھی صورت ہو، یا ان موضوعات کے علاوہ دیگر مسائل کے حوالے سے یہ رابطہ رہتا ہو، لیکن ہمارے برعظیم پاک و ہند کے معاشرے میں نوے فیصد سے زائد افراد ایسے ہیں جن کا زندگی میں ایک آدھ بار ضرور کسی دارالافتا سے رابطہ ہوتا ہے، اور مسائل جاننے کے لیے کسی عالم یا مفتی سے رابطے کی مقدار اور اس کا تناسب تو اس قدر ہے کہ اسے شمار کرنا بھی شاید ممکن نہ ہو۔ ہمارے معاشرے کے مدرسے اور مولوی سے منسلک ہونے کا یہ ایک بہت بڑا ذریعہ ہے، جسے ہم اپنے عام تجزیوں میں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

مکتب۔ناظرہ۔قرآن کی تعلیم:

ہمارے معاشروں میں عام لوگوں کا مدرسے سے رابطہ سب سے زیادہ مکتب اور گھروں میں پڑھانے والے حفاظ کرام کے ذریعے ہے۔ یہ ایک علیحدہ بحث ہے کہ ان میں سے کس قدر حضرات باقاعدہ حافظ یا قاری ہیں، اور کس قدر عالم ہیں یا یہ کہ ان میں علما موجود ہیں یا نہیں، دل چسپ امر واقعی یہ ہے کہ ان میں بڑی تعداد علمائے کرام کی بھی ہے، جو اپنی معاشی مجبوریوں کے سبب گھر گھر جا کر قرآن کریم پڑھ کر اپنا پیٹ پالنے پر مجبور ہیں۔ ان قرآنی مکتبات کی ایک شکل آن لائن کلاس کی صورت میں بھی سامنے آ چکی ہے، تاہم ان تمام صورتوں کے اپنے اپنے فوائد بھی ہیں اور مفاسد بھی، جن پر بات ہونی چاہیے لیکن یہ بحث ہمارے اس موضوع سے الگ ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ 99 فیصد افراد اپنے بچوں کو قرآن کریم کی ناظرہ تعلیم کے لئے انہی میں سے کسی ایک شکل کو اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ عام طور پر گھروں میں استاد کو بلا کر بچوں کو قرآن کریم پڑھایا جا رہا ہے اور بعض صورتوں میں محلوں میں مساجد میں یا گھروں میں قائم مکتب کے ذریعے یہ ذمے داری ادا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، دونوں صورتوں میں اگرچہ کہ مدارس سے وابستہ اور باقاعدہ علما کی بڑی تعداد اس سے منسلک نہیں لیکن ان حفاظ یا قاری صاحبان کا عوامی تعارف بنیادی طور پر مولوی اور مدرسے تعارف کا ذریعہ ہے۔ اس غیر روایتی انداز سے بھی ہمارا معاشرہ مدرسے اور مولوی سے منسلک ہے اور بہت گہری وابستگی کے ساتھ منسلک ہے۔

سائنسی تحقیق، عصری علوم اور دینی مدارس

(پہلا حصہ)

جناب مبشر حسین رحمانی
لیکچرر کمپیوٹر سائنس ڈیپارٹمنٹ
کارک یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی، آئرلینڈ

گزشتہ دو صدیوں سے سائنسی ایجادات نے جتنی ترقی کی ہے، وہ ہم سب کے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور یہ سائنسی ایجادات ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں نظر آتی ہیں۔ سیٹلائٹ کی مدد سے زمین پر اناج کی پیداوار کا تخمینہ لگانا ہو یا زمین کے اندر چھپے معدنی خزانوں (پیٹرول، گیس، لوہا، سونا، چاندی) کی نشاندہی ہو، آج یہ سب کچھ ہمیں اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ سائنس افسانوں سے نکل کر ہماری حقیقی زندگی میں اتنی شامل ہوگئی ہے کہ ہم اگر سفر میں کوئی راستہ تلاش کرنا چاہیں یا کسی نزدیکی بستی کے اندر کسی دکان کی معلومات نکالنا ہوں، یہ سب کچھ ہم چند سیکنڈوں میں کر گزرتے ہیں۔ مائیکرو پروسیسر اور کمپیوٹر کے میدان میں سائنسی ایجادات نے ہماری معلومات تک رسائی کو ممکن بنا دیا ہے۔ گھر بیٹھے ایک شخص سیکنڈوں کے اندر آکسفورڈ یونیورسٹی میں رکھے صدیوں پرانے مسودات سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ بات صرف یہاں پر ہی ختم نہیں ہوگئی، بلکہ اب Tactile Internet کی مدد سے محسوسات کو منتقل کرتے ہوئے ریموٹ سرجریز و آپریشن پایۂ تکمیل تک پہنچائے جا رہے ہیں۔(1)

ان سب سائنسی ایجادات اور ترقی کے پیچھے جو چیز کارفرما ہے، وہ تحقیق (ریسرچ) ہے۔ یہ تحقیق ہی ہے جس کی وجہ سے یہ سائنسی ایجادات اپنے آئیڈیاز سے لے کر کام کرنے کی شکل تک ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔

معیاری سائنسی تحقیق:

سائنسی تحقیق (ریسرچ) اگر معیاری ہو تو جو تحقیقی مقالات Research Articles اور حقِ سند ایجاد Patents وجود میں آتے ہیں، وہ بھی اعلیٰ معیار کے ہوتے ہیں اور اس سے سائنسی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اور اس سے جو آخری پروڈکٹ Technology انسانوں کے سامنے آتی ہے، وہ بھی معیاری قسم کی ہوتی ہے۔ اور اگر یہ سائنسی تحقیق معیاری نہ ہو تو نہ صرف یہ کہ اس سے قیمتی وسائل ضائع ہوتے ہیں، بلکہ انسانیت کو بھی

ایسی سائنسی تحقیق سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔غرض سائنسی تحقیق کا معیاری ہونا بہت ضروری ہے۔پچھلی صدی میں سائنس اور سائنسی تحقیق کے اندر بہت زیادہ ترقی ہونے کی وجہ سے سائنسی تحقیق کے معیار کو جانچنے نے بھی باقاعدہ ایک سائنسی شعبے اور فن کی شکل اختیار کر لی ہے۔یہ سائنسی شعبہ یا فن بلیو میٹرکس Bibliometrics کے نام سے جانا جاتا ہے، جس میں اس بات کا طریقہ متعین کیا جاتا ہے کہ ایک سائنسی تحقیق کو ہم کیسے جانچیں گے اور کس سائنسدان کی تحقیق کا کیا معیار ہے؟ بلیو میٹرکس Bibliometrics کا شعبہ اصل میں Library and Information Science کی شاخ کے اندر آتا ہے اور اس کا بنیادی مقصد سائنسی تحقیق اور سائنسدانوں کی ریسرچ کے معیار کو جانچنا ہے۔اسی طرح سے سائنسی معیار کو جانچنے اور اس کو آگے ترقی دینے اور بڑھانے کے لیے باقاعدہ یونیورسٹیوں کے ڈیپارٹمنٹ وجود میں آچکے ہیں، جو کہ اس موضوع پر تحقیق بھی کروا رہے ہیں اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی تفویض کر رہے ہیں۔نیز ان سائنسی تحقیقات کے معیار کو پرکھنے کے لیے اور سائنسی تحقیق کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے ریگولیٹری ادارے بھی معرضِ وجود میں آچکے ہیں۔اسی طرح سے عالمی سطح کی معیاری تحقیق کرنے پر ایوارڈز بھی دیئے جاتے ہیں، جن میں سے چند مشہور یہ ہیں: نوبل پرائز Nobel Prize[2]، ٹیورنگ ایوارڈ Turing Award [3]، فیلو آف رائل سوسائٹی Fellow of the Royal Society، آئی ای ای ای کی فیلوشپ Fellow IEEE[4]، اے سی ایم کی فیلوشپ Fellow ACM Highly Cited Researcher [5] وغیرہ۔اس کے علاوہ اور بھی مختلف ایوارڈز ہیں، جو کہ مختلف سائنسی شعبوں کے اندر دیئے جاتے ہیں۔

پاکستان کی جامعات اور ان میں ہونے والی تحقیق کا حال:

اب اگر ہم سائنسی تحقیق، ایجادات اور ایوارڈز کی بات کریں تو عمومی طور پر اسلامی ممالک کے اندر سائنسی تحقیق کا معیار اتنا اعلیٰ نہیں ہے۔بالخصوص اگر ہم اپنے پیارے ملک پاکستان کی بات کریں تو سائنسی دنیا کے اندر پاکستان عمومی طور پر ترقی یافتہ ممالک میں ہونے والی تحقیق سے بہت پیچھے ہے۔یہ بات مبالغہ پر مبنی نہیں ہے، بلکہ ہم شواہد کی بنیاد پر آپ کے سامنے یہ حقائق رکھ رہے ہیں۔پاکستان کی جامعات اور ان میں ہونے والی تحقیق کی زبوں حالی کی بنیادی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں کسی راکٹ سائنس کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اگر ہم سائنسی شماریاتی اداروں کی رپورٹ پڑھ لیں تو یہ بات ہم پر عیاں ہو جائے گی کہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر پاکستان کی جامعات اور ان میں ہونے والی تحقیق کا کیا حال ہے۔سائنسی شماریاتی اداروں یعنی جامعات کی عالمی رینکنگ کرنے والے اداروں (دیکھیے: ٹیبل نمبر ۱) کی جانب سے جو ڈیٹا فراہم کیا گیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی پانچ سو بہترین جامعات

کے اندر محض پاکستان کی ایک یا دو جامعات اپنا نام بنا پائی ہیں۔

ٹیبل نمبر ۱: جامعات کی عالمی رینکنگ کرنے والے اداروں کے نام

1..... ملٹی رینک

Multirank

https//:www.umultirank.org

2 ٹائمز ہائیر ایجوکیشن ورلڈ یونیورسٹی رینکنگ

Times Higher Education World University Ranking

https//:en.wikipedia.org/wiki/Times_Higher_Education_World_University_Rankings

3 قیو ایس ورلڈ یونیورسٹی رینکنگ

QS World University Rankings

https//:en.wikipedia.org/wiki/QS_World_University_Rankings

4..... شینگھائی رینکنگ

Shanghai Ranking –Academic Ranking of World Universities

https//:www.shanghairanking.com/rankings/arwu/2020

جامعات کی عالمی رینکنگ کے ادارے بہت سارے عوامل کو دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کس جامعہ کا کون سا عالمی درجہ ہوگا۔ ان عوامل کے اندر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جامعات کے اندر تحقیق کس معیار کی ہو رہی ہے؟ ان کے اندر تدریس کا کیا معیار ہے؟ ان جامعات کا انڈسٹری کے ساتھ کتنا اشتراک ہے اور انڈسٹری کی جانب سے ان جامعات کو کتنی فنڈنگ دی جا رہی ہے؟ نیز ان جامعات کے اندر کتنے نوبل انعام یافتہ سائنسدان اور محققین ہیں اور کتنے Highly Cited Researcher ہیں؟ اس کے علاوہ ان جامعات کے کتنے فارغ التحصیل طلبہ کو نوبل انعام ملا ہے؟ مزید براں یہ کہ ان جامعات کے اندر ہونے والی تحقیق سے انسانیت کو کتنا فائدہ پہنچ رہا ہے؟ اس کے علاوہ اسٹوڈنٹ فیکلٹی (طلبہ، اساتذہ) تناسب کیا ہے؟ دوسرے ممالک کے کتنے طلبہ ان جامعات کے اندر تعلیم حاصل کر رہے ہیں؟ ٹیبل نمبر ۲ کے اندر ہم نے دو جامعات کی عالمی رینکنگ کے اداروں کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے، جس کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جامعات کی عالمی درجہ بندی ایک سائنسی طریقے سے ہوتی ہے، جس کے اندر مختلف عوامل کو وزن دیا جاتا ہے، تاکہ جامعات کے معیار کو جانچا جا سکے۔

ٹیبل نمبر۲: جامعات کی عالمی رینکنگ کے اداروں کا تقابلی جائزہ اور معیار و کارکردگی کے مختلف عوامل کو وزن دینے کا تناسب

ٹائمز ہائیر ایجوکیشن ورلڈ یونیورسٹی رینکنگ

Times Higher Education World University Ranking

https//:en.wikipedia.org/wiki/Times_Higher_Education_World_University_Rankings

ایجوکیشن کو الٹی نوبل انعام یافتہ طلبہ	10%
تدریسی عملہ جس کو نوبل انعام ملا ہو	20%
Highly Cited Researchers	20%
نیچر اور سائنس میں تحقیقی مقالہ جات	20%
تحقیقی مقالہ جات جو کہ ایس سی آئی ای انڈیکس ہو	20%
Per capita academic performance	10%
ٹوٹل	100%

شینگھائی رینکنگ

Academic Ranking of World UniversitiesShanghai Ranking

https//:www.shanghairanking.com/rankings/arwu/2020

انڈسٹری سے آمدن	2.5%
طلبہ اور اساتذہ میں عالمگیریت	5%
تدریس (پی ایچ ڈی، طلبہ کی تعداد، وغیرہ)	30%
تحقیق (تحقیقی مقالہ جات، تحقیق سے آمدن، وغیرہ)	30%
تحقیق کا اثر Citations	32.5%
ٹوٹل	100%

اگر ہم پاکستان کی جامعات اور یہاں پر ہونے والی سائنسی تحقیق کے معیار و کارکردگی کو جانچنا چاہتے ہیں تو ہمیں

بین الاقوامی تسلیم شدہ پیمائش Performance Metrics کے اصولوں کو مدِ نظر رکھنا ہوگا اور ایسے معیارات Standards کو اختیار کرنا ہوگا جن کو عالمی سطح پر تسلیم کیا جائے، نیز یہ معیارات ایسے ہوں جن کی پیمائش بھی ممکن ہو، مثلاً اگر ہمیں اس بات کا معیار جانچنا ہے کہ جامعات اور انڈسٹری میں کتنا تعاون ہو رہا ہے تو ہم یہ دیکھیں گے کہ انڈسٹری جامعات کو کتنا معاشی تعاون کر رہی ہے اور اس سلسلے میں کتنی فنڈنگ کا اجراء کر چکی ہے، اس کے لیے جو عالمی سطح پر پیمانہ متعین کیا گیا ہے کہ وہ یہ ہے کہ فی کس سائنسدان اپنی جامعہ میں انڈسٹری سے کتنی فنڈنگ لا رہا ہے، تاکہ تحقیق وتدریس کو فروغ دیا جاسکے۔ اسی طریقے سے ہم نے دیکھا کہ عالمی سطح پر جو جامعات کی عالمی رینکنگ کی جاتی ہے اور ان کا معیار اور کارکردگی جانچی جاتی ہے، اس کے اندر مختلف کارکردگی کے پیمائشی طریقوں کو تسلیم کیا جاتا ہے، جن کو ہم نے ٹیبل نمبر۲ میں بیان کر دیا ہے۔ اب ہم ان عالمی معیارات کو سامنے رکھ کر بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ عالمی سطح پر پاکستان کی جامعات اور ان کے اندر ہونے والی تحقیق کا کیا معیار ہے؟ نیز سائنسی تحقیق میں اُن کی کارکردگی کیا ہے؟

نوبل پرائز، دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدان اور پاکستان کا اس میدان میں موازنہ:

اب ہم دو مختلف عالمی تسلیم شدہ پیمانوں Nobel Prize اور Highly Cited Researcher کی مدد سے پاکستان کی جامعات کی کارکردگی اور ان میں ہونے والی تحقیق کے معیار کی پیمائش کرتے ہیں۔ نوبل پرائز مختلف شعبہ جات مثلاً: طبیعات، کیمیا، طب، لٹریچر، امن، اکنومکس وغیرہ میں دیا جاتا ہے۔ چونکہ ہم سائنس کی بات کر رہے ہیں تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سائنس کے شعبہ جات کے اندر پاکستان کی جامعات میں کام کرنے والے کتنے سائنسدانوں کو نوبل پرائز دیئے گئے ہیں اور پاکستان کی کارکردگی اس ضمن میں کیا ہے؟ کیا پاکستان کی جامعات، قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک کوئی ایسی تحقیق کر سکیں جس کی بنیاد پر ان جامعات میں کام کرنے والے سائنسدانوں اور پروفیسرز حضرات کو عالمی سطح پر مانا گیا ہو اور ان کو سائنس کے شعبہ جات کے اندر پاکستان کے اندر تحقیق کی بنیاد پر نوبل پرائز کے انعام سے نوازا گیا ہو؟ ۱۹۰۱ء سے لے کر ۲۰۲۰ء تک مجموعی طور پر ۶۰۳ نوبل پرائز ۹۶۲ شخصیات کو دیئے جا چکے ہیں، جن میں طبیعات Physics میں ۱۱۴، کیمیا Chemistry میں ۱۱۲، طب Medicine میں ۱۱۱ نوبل انعام دیئے جا چکے ہیں اور دنیا کے چار ممالک امریکہ، برطانیہ، جرمنی، اور فرانس، وہ ممالک ہیں جن کے سائنسدانوں کے پاس سب سے زیادہ نوبل پرائز ہیں [6,7]۔ اس سارے موازنے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہم نوبل پرائز کے معیار پر کتنے پیچھے ہیں۔

ٹیبل نمبر۳: مختلف ممالک کے اندر دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدانوں کی تعداد:

امریکہ	2650
چین	770
برطانیہ	514
جرمنی	345

دوسرا پیمانہ یعنی ''دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدان'' Highly Cited Researcher کے تناظر میں پاکستان کی جامعات اور اُن کے اندر ہونے والی تحقیق کی صورتِ حال بھی کچھ حوصلہ افزا نہیں۔ صرف طبیعات Physics کے شعبہ کے اندر کُل ۱۷۹ سائنسدانوں میں پورے پاکستان کا ایک بھی سائنسدان ''دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدان'' Highly Cited Researcher کی فہرست میں شامل نہیں ہے۔ اس کے بالمقابل اگر ہم امریکہ، چین، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور دیگر ممالک کی بات کریں تو وہاں پر مختلف سائنسی شعبہ جات کے اندر ''دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدانوں'' کی بھرمار ہے (دیکھیے: ٹیبل نمبر۳)۔ اگر ہم جامعات کے حساب سے بات کریں تو اکیلے ہارورڈ یونیورسٹی Harvard University کے اندر ۱۸۸، اسٹینفورڈ یونیورسٹی Stanford University کے اندر ۱۰۶، آکسفورڈ یونیورسٹی University of Oxford کے اندر ۵۲ اور کیمبرج یونیورسٹی University of Cambridge کے اندر ۴۶ ''دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدان'' مختلف سائنسی شعبہ جات کے اندر موجود ہیں۔[8] اس کے علاوہ اگر دیگر ایوارڈز دیکھے جائیں تو پاکستان کے پاس نہ ہی کوئی Fellow IEEE ہے اور نہ ہی Fellow ACM ہے۔

آبادی کے تناسب سے پاکستان کی سائنسی دنیا میں کارکردگی:

آبادی کے تناسب سے دیکھا جائے تو سائنسی دنیا کے اندر ہماری کارکردگی قابلِ ستائش نہیں ہے اور یہی حال کچھ ہماری جامعات کے اندر ہونے والی سائنسی تحقیق کا بھی ہے۔ اگر ہم پاکستان سے کئی گنا چھوٹے ملک آئرلینڈ کا جائزہ لیں تو آئرلینڈ کی کل آبادی پاکستان کے شہر کراچی سے بھی کم ہے، مگر اس کے برعکس اس کے پاس کئی نوبل پرائز ونر ہیں، اور ۳۳ ''دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدان'' کا ٹائٹل ملنے والے سائنس دان بھی موجود ہیں۔ جامعات کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو آئرلینڈ کے پاس ۲۰ کے قریب جامعات ہیں، مگر ان میں تحقیق کا معیار اتنی اعلیٰ قسم کا ہے کہ وہ دنیا کے ۲۰۰ بہترین جامعات کے اندر اپنا نام بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اسی تناظر میں اگر

پاکستان کی جامعات کی تعداد دیکھیں تو پاکستان میں ۲۲۹ پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر جامعات موجود ہیں (ایچ ای سی کی ویب سائٹ کے مطابق: جولائی ۲۰۱۲ء)۔ نیز اگر ہم ان جامعات کے اندر اساتذہ کی تعداد دیکھیں تو وہ کُل ۴۷۳۹۳ ہے، جس میں سے ۱۴۶۱۴ پی ایچ ڈی حامل اساتذہ ہیں، یعنی ۳۵۲۴ خواتین پی ایچ ڈی اساتذہ کی تعداد ہے اور ۱۱۰۹۰ مرد پی ایچ ڈی اساتذہ کی تعداد ہے۔ اس حوالے سے پاکستان کی جامعات کے اندر تقریباً ۳۰ فیصد اساتذہ پی ایچ ڈی ڈگری کے حامل ہیں۔ نیز پاکستان کی ایک ایسی جامعہ، کامسیٹس یونیورسٹی بھی ہے جس کے پاس ایک ہزار سے زیادہ پی ایچ ڈی اساتذہ کی تعداد ہے۔[9] چونکہ ابھی ہمارا موضوع پاکستان میں سائنسی تحقیق کے گرتے ہوئے معیار کے سدِ باب پر تجاویز دینا نہیں، لہٰذا ہم اس سے احتراز کرتے ہوئے اپنے موضوع پر رہتے ہیں۔ ان سب تفصیلات جاننے کے بعد ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان کے اندر سائنسی تحقیق کا معیار عالمی سطح کا نہیں ہے۔ نیز پاکستان کی جامعات بھی عالمی سطح پر اپنا لوہا نہیں منوا سکیں۔ اور سونے پر سہاگہ یہ کہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد سے لے کر اب تک ہم اجتماعی سطح پر بہترین سائنسدانوں کی کھیپ تیار نہیں کر سکے۔ ہاں! اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ انفرادی سائنسدان ابھی بھی پاکستان میں موجود ہیں جو کہ پوری جان لگا رہے ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ پاکستانی سائنسدان عالمی اداروں میں بھی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں، مگر اُن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

دینی مدارس، عصری علوم اور سائنسی تحقیق:

اس تمام تناظر کے اندر اگر ہم دینی مدارس کو دیکھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کچھ دینی مدارس نے عصری علوم کے اندر بھی رسوخ پیدا کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس ضمن میں میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وفاق المدارس کے قائدین اور اکابر علمائے کرام کی کوششوں سے حکومتِ پاکستان (ہائیر ایجوکیشن کمیشن) کی جانب سے درسِ نظامی مکمل کرنے والے علماء کی تعلیمی اسناد کو ماسٹرز کے مقابل سمجھا جانے لگا ہے۔ نیز کچھ مدارس خاص طور پر ایسے رجالِ کار تیار کر رہے ہیں جو کہ عصری علوم میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔

علمائے کرام کا عصری علوم بالخصوص سائنسی تحقیق اور پی ایچ ڈی P.H.D کی طرف راغب ہونا اس سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ جو علمائے کرام درسِ نظامی اور تخصص سے تکمیل حاصل کر رہے ہیں، ان میں سے کچھ حضرات عصری جامعات کا بھی رخ کر رہے ہیں، تاکہ وہاں سے ایم فل MPhill اور پی ایچ ڈی P.H.D کی ڈگریاں حاصل کر سکیں۔ اور مشاہدے میں یہ بات آ رہی ہے کہ ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ بھی ہوتا جا رہا ہے، مگر یہاں یہ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سارے فارغ التحصیل علمائے کرام اور مفتیانِ کرام تحقیق کے لیے جن عصری جامعات کا رخ کررہے ہیں، تاکہ وہ پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کرسکیں، وہ ہماری پاکستان کی ہی جامعات ہیں اور جیسا کہ اوپر عرض کیا جاچکا کہ عالمی سطح پر پاکستان کی جامعات اور ان میں ہونے والی تحقیق کا معیار وہ نہیں ہے، جو کہ ترقی یافتہ ممالک کا ہے، لہٰذا سب سے بڑا مسئلہ یہ پیش آئے گا کہ کس طریقے سے وہ سائنسی استعداد اور قابلیت بنائی جائے، جو کہ عالمی سطح پر معیاری سائنسی تحقیق کے لیے درکار ہے۔ نیز یہ مسئلہ صرف علمائے کرام یا مفتیانِ کرام تک ہی مخصوص نہیں ہے، بلکہ جو بھی طالب علم ان پاکستانی عصری جامعات سے پی ایچ ڈی ڈگری کا حصول کرے گا، اُس کو یہ مسئلہ درپیش آئے گا، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ محض ڈاکٹر کا ٹائٹل اور پی ایچ ڈی کی ڈگری کا حصول مقصود نہ ہو، بلکہ سائنسی استعداد اور قابلیت بڑھانے پر توجہ دی جائے، تاکہ عالمی معیار کی تحقیق کی جاسکے اور سائنسی میدان میں ترقی یافتہ ممالک کا مقابلہ کیا جاسکے۔

حوالہ جات

1 N. Promwongsa et al''AComprehensive Survey of the Tactile Internet: State -of -the -Art and Research Directions,''in IEEECommunications Surveys &Tutorials, vol. 23, no. 1, pp. 472-523, Firstquarter 2021.

2 https://www.nobelprize.org/

3 https://amturing.acm.org/

4 https://www.ieee.org/membership/fellows/index.html

5 https://recognition.webofscience.com/awards/highly-cited/2020/

6 https://www.economist.com/graphic-detail/2018/05/10/the-hierarchy-of -countries -winning -nobels -in -the -sciences

7 https://www.theguardian.com /science /datablog /2016/oct/08/which -countries -have -had -the -most -nobel -prize -winners

8 Highly Cited Researcher 2020Annual Report, Online at:https//:recognition. webofscience.com /awards /highly -cited /2020 /

9 https://www.hec.gov.pk/english/services/students /PCD/Documents /University Fulltime Faculty. pdf

نامور محدث علامہ رضی الدین حسن صغانی لاہوریؒ

جناب حافظ اشرف علی

مسلمانوں نے اپنے آقا ومولا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین عالی شان کو روز اول سے ہی حرز جاں بنایا۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت ہر دور میں، ہر علاقے میں اور ہر انداز میں کی گئی۔ حدیث کے باب میں ہندوستان کے علماء ومحدثین نے بھی شاندار خدمات سرانجام دیں۔ ہندوستان کے محدثین میں امام رضی الدین ابوالفضائل حسن صغانی لاہوری رح کا نام سرفہرست ہے۔

آپ کی مرتب کردہ حدیث پاک کی کتاب ''مشارق الانوار'' شہرہ آفاق حیثیت رکھتی ہے۔ ہندوستان میں ایک طویل مدت تک داخل درس رہی۔ اس کتاب کو نا صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان سے باہر بھی بڑی شہرت ملی۔ اس مضمون میں ہم امام صغانی کی شخصیت، علمی کارنامے بالخصوص ان کی تالیف مشارق الانوار کا جائزہ لیں گے۔

آپ ایک نامور محدث، فقیہ اور ادیب تھے۔ آپ کا پورا نام ابوالفضائل رضی الدین حسن بن محمد بن حسن بن حیدر العدوی الصعنی الحنفی ہے۔

آپ کے والد محمد بن حسن بن حیدر لاہوری ماوراء النہر کے شہر صغان (چاگان) سے آکر ہندوستان میں رہائش پذیر ہوئے۔ امام صغانی لاہور میں ۵۷۷ ہجری بمطابق ۱۱۸۱ عیسوی میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو ونما پائی۔ اس وقت لاہور پر خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی کی حکومت تھی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے حصول علم کے لیے غزنی، ماوراء النہر اور عراق کا سفر کیا۔ جملہ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد لغت وحدیث کے امام قرار پائے۔ ایک مدت تک آپ نے بغداد میں درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ سلطانہ رضیہ کے عہد میں خلیفہ بغداد کی طرف سے سفیر بن کر کچھ عرصہ ہندوستان میں رہے۔ آپ کی وفات ۶۵۰ ہجری بمطابق ۱۲۵۲ عیسوی میں بغداد میں ہوئی اور آپ کا جسد خاکی حسب وصیت مکہ مکرمہ منتقل کیا گیا۔

آپ نے لغت، حدیث اور فقہ میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ لیکن سب سے زیادہ مقبولیت مشارق الانوار کو حاصل ہوئی۔ اس کتاب کا پورا نام "مشارق الانوار النبوية من صحاح الاخبار المصطفوية" ہے۔ یہ کتاب ایک مدت تک ہندوستان میں علم حدیث کے نصاب میں شامل رہی اور اسے نا صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہندوستان بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ عالم اسلام کے مختلف تعلیمی اداروں میں اس کتاب کی درس وتدریس ہوتی

رہی۔علماء نے اس پہ ڈھائی ہزار سے زائد حواشی وشروحات لکھیں۔

آپ نے یہ کتاب (مشارق الانوار) لکھ کر بغداد میں عباسی خلیفہ مستنصر باللہ کی خدمت میں پیش کی۔جس کے صلہ میں آپ کوخلعت عطا ہوئی۔

محدثین نے ہر دور میں مختلف جہات میں کتب حدیث مرتب کیں۔مثلاً کسی نے صرف فقہی احکام پرمبنی احادیث مرتب کیں توکسی نے کسی خاص مسئلہ یاعنوان کے تحت کتاب مرتب کی۔جیسے جامع کے عنوان کے تحت اسلام کے تمام احکامات پرمبنی احادیث جمع کی گئیں۔سنن کے کے تحت فقہی احکامات پرمبنی احادیث جمع کردی گئیں۔مسند کے تحت کسی ایک راوی کی روایت کردہ احادیث ایک جگہ جمع کردی گئیں۔

اسی طرح امام حسن صغانی نے اپنی کتاب میں بڑے منفرد انداز میں احادیث جمع کیں۔آپ نے مشارق الانوار میں عوامل النحو کے لحاظ سے احادیث لکھیں۔مثلاً حرف "مَــن" کے تحت شروع ہونے والی احادیث ایک جگہ لکھیں۔ آپ نے احادیث کے ابتدائی الفاظ پر مشتمل مختلف ابواب اور فصول کے تحت عنوانات قائم کیے۔مثلاً ''بـــاب در احـــاديث اِذَا و اِذ ". پھران کے تحت اذا اور اذ سے شروع ہونے والی احادیث الگ الگ دو الگ الگ فصلوں میں بیان کردیں۔بالفاظ دیگر آپ نے احادیث کوان کے ابتدائی الفاظ کی بناء پر مرتب کیا۔

اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اس کتاب میں بخاری ومسلم کی قولی احادیث جمع فرمائیں۔ ان کی تعداد ۲۲۴۶ ہے۔

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا کہ اس کتاب کو چہار دانگ عالم میں کمال مقبولیت حاصل ہوئی اور مشتاقان حدیث اس سے ایک طویل عرصہ تک مستفید ہوتے رہے۔یہ ہندوستان میں حدیث کے واحد سرمایہ حدیث کی حیثیت سے شامل نصاب رہی۔

اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کے اڑھائی ہزار سے زائد شروح وحواشی لکھے گئے۔

چندمشہورشروحات کے نام یہ ہیں:

تحفۃ الابرار فی شرح مشارق الانوار- علامہ اکمل الدین بابرتی (م ۶۸۷ھ)

شوارق الاسرار العلیۃ فی شرح مشارق الانوار النبویۃ- محمد بن یعقوب الفیر وزآبادی الشیرازی (م ۸۷۱ھ)

المطالع المصطفویۃ- سعید بن محمد بن مسعود الکازرونی (م ۸۵۷ھ)

دقائق الآثار فی مختصر مشارق الانوار- محمد بن محمد الاسدی القدسی (م ۸۰۸ھ)

حاشیۃ علی المشارق- شیخ قاسم بن قطلو بغا الحنفی (م ۸۷۹ھ) وغیرہ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۳۶)۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ جو کتاب ایک لمبی مدت تک ہندوستان کے نصاب حدیث کا حصہ رہی ہے، اسے طالبان علوم حدیث حرز جاں بنائیں، اس کے علوم وفوائد کے نایاب ترین موتیوں اور لعل وگہر سے بھرپور استفادہ کریں۔ اپنے اسلاف اور ان کے شاندار علمی کارناموں کو نا صرف یاد رکھیں بلکہ اسے نسل نو تک منتقل کریں۔ اپنے شاندار تہذیبی ورثہ پہ فخر کریں اور اس پہ مزید علمی وتحقیقی کام کریں۔ رب العالمین ہمیں حدیث پاک کے مبارک کام سے وابستہ رکھے اور علم وعمل کی توفیقات سے نوازے آمین۔

امام رضی الدین حسن صغانی لاہوری کی دیگر تصانیف کے نام بھی ذیل میں درج کیے جارہے ہیں تاکہ تشنگان علوم وفنون ان سے بھرپور استفادہ کرسکیں:

(۱)- مجمع البحرین (علم لغت پر بارہ جلدوں میں)۔(۲) العباب الزاخر (علم لغت پر بیس جلدوں میں)۔(۳)- النوادر فی اللغات (بعض مصادر میں "الشوادر" اور بعض میں "الشواذ" آیا ہے)۔(۴)- توشیح الدِّ رَیدیۃ۔(۵) التراکیب۔(۶) فعال۔(۷) فعلان۔(۸) الانفعال۔(۹) یفعول۔(۱۰) الاضداد۔(۱۱) العروض۔(۱۲) اسماء العادۃ۔(۱۳) اسماء الاسد۔(۱۴) اسماء الذئب۔(۱۵) تعزیز بیتی الحریری۔(۱۶) مشارق الانوار فی الجمع بین الصحیحین۔(۱۷) مصباح الدجیٰ۔(۱۸) الشّمس المنیر ۃ۔(۱۹)درالسحابۃ فی وفیات الصحابۃ۔(۲۰) شرح البخاری۔(۲۱) الضعفاء۔(۲۲) الفرائض۔(۲۳) تذییل العزیزی۔(۲۴) شرح ابیات المفصل۔(۲۵)التکملۃ علی الصحاح۔(۲۶)مختصر الوفیات۔(۲۷)مناسک الحج۔(۲۸)نقعۃ الصدیان

آپ کے چند مشہور اساتذہ کرام کے نام یہ ہیں:

۱۔آپ کے والد محمد بن حسن بن حیدر لاہوری۔

۲۔محمد بن حسن المرغینانی (صاحب ہدایہ)۔

۳۔قاضی سعد الدین خلف بن محمد الحسن۔

آپ کے سامنے زانوئے علم تہہ کرنے والے چند نامور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔شرف الدین الدمیاطی۔

۲۔عفیف الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد جعفر معروف بابن البدیع

۳۔برہان الدین محمود بن ابوالخیر اسعد البلخی

کتابیات

۱..... ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ 11، جلد:97، محرم الحرام 1435 ہجری مطابق نومبر 2013ء

۲.....تحفۃ الاخیار اردو ترجمہ مشارق الانوار مطبع منشی نولکشور لکھنؤ۔
۳.....مشارق الانوار، اردو ترجمہ مع عربی متن، مرتب کردہ: مولانا خرم علی رح۔ فقہی ابواب کی ترتیب: مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی ،1375 ہجری۔ نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی۔
۴.....آب کوثر، شیخ محمد اکرام۔ ناشر سروسز بک کلب، راولپنڈی۔ 2002

5 https://forum.mohaddis.com

6 http://www.darululoom-deoband.com/urdu/articles

7 https://steemit.com

8 https://www.wikipedia.org/

.....

وفیات

☆.....**صاحبزادہ حافظ رشید احمد صاحبؒ**: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سابق امیر خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند جناب صاحبزادہ حافظ رشید احمد ۲۴ رنومبر ۲۰۲۱ء کو ۵۴ برس کی عمر میں انتقال کر گئے.....اناللہ وانا الیہ راجعون!

صاحبزادہ حافظ رشید احمد حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہونہار فرزند ہونے کے ساتھ آپ کی روحانی وراثت کے امین بھی تھے۔ لاہور میں مرکز سراجیہ قائم کر کے خانقاہی اشغال کا سلسلہ شروع کرایا، وہاں ایک عرصے تک تبلیغی جماعت کے حضرت مولانا نذر الرحمٰن صاحب مدظلہم بیان بھی فرماتے رہے۔ اسی طرح خانقاہ احمدیہ سراجیہ دادڑہ بالا کے بھی منتظم تھے۔ صاحبزادہ صاحب نومبر ۲۰۱۵ء میں بیمار ہوئے، جب سے علیل اور صاحب فراش تھے۔ پسماندگان میں ایک بیوہ، دو بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑے ہیں۔

☆.....وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی امتحانی کمیٹی کے رکن مولانا مفتی مختار اللہ مدظلہم (استاذ حدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) کے والد گرامی جناب حاجی حبیب اللہ صاحب ۲۴ رنومبر ۲۰۲۱ء کو انتقال کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون!

☆.....ماہ نامہ ''وفاق المدارس'' کے شعبہ طباعت کے ذمہ دار جناب مولانا حاجی مختار احمد صاحب ہمشیرہ گزشتہ ماہ فیصل آباد میں انتقال کر گئیں، اناللہ وانا الیہ راجعون!۔ مرحومہ نہایت صالحہ خاتون اور پابند صوم وصلوٰۃ تھیں۔

ادارہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی طرف سے تمام مرحومین کے حق میں دعائے خیر اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

ایک علم دوست شخصیت مولانا فیض الرحمٰن عثمانیؒ

صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی

پاکستان کی منفرد علمی و تدریسی تربیت گاہ "ادارہ علوم اسلامی" اسلام آباد کے بانی، علوم وفنون کے عالی مرتبت استاد، حکمت وفراست کے حامل مربی حضرت مولانا فیض الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ ۱۵ر محرم الحرام ۱۴۴۳ھ موافق ۲۴ / اگست ۲۰۲۱ء بروز منگل داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!۔ مولانا عثمانی رحمہ اللہ ایک ہمہ جہت زیرک علمی وعملی شخصیت تھے۔ دینی وعصری علوم کے امتزاج کے حامل افراد ساز اور کئی منفرد تعلیمی خصوصیات کے حامل ادارہ کے بانی تھے۔

مولانا فیض الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ کی پیدائش ۱۹۵۳ء میں ہوئی، اپ کے والد کا نام عبدالحلیم عثمانی مرحوم تھا، آپ کا آبائی علاقہ اور جائے پیدائش ضلع بٹگرام کا گاؤں ملاڈھیری کوزہ بانڈہ ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کے بعد درس نظامی کے فوقانی درجات جامعہ فاروقیہ کراچی میں پڑھے اور سند فراغ عظیم علمی مرکز جامعہ دارالعلوم کراچی سے حاصل کی۔

آپ کے اساتذہ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، رئیس المحدثین حضرت شیخ سلیم اللہ خانؒ، حضرت مولانا سبحان محمودؒ، شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی، حضرت مولانا حمید اللہ خانؒ، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، حضرت مولانا محمد انور بدخشانی، حضرت مولانا غلام محمد، حضرت مولانا عنایت اللہ شہیدؒ جیسی نابغہ روزگار ہستیاں شامل ہیں۔ جن اداروں میں تحصیل علم کے مدارج طے کئے ان میں مذکورہ دونوں اداروں کے علاوہ مدرسہ انوار العلوم گجرنوالہ، جامعہ کراچی اور انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد شامل ہیں، جبکہ مختلف علوم وفنون کے بعض اہم کورسز عرب ممالک کے اداروں میں بھی پڑھ کر کمال حاصل کیا۔

آپ نے عملی زندگی کا آغاز اسلام آباد جی ایٹ مرکز میں جامع مسجد الرشید سے کیا، کچھ عرصہ وزارت تعلیم سے بھی منسلک رہے۔ ۲/ جون ۱۹۸۶ء کو "ادارہ علوم اسلامی" کی بنیاد رکھی۔ بعد ازاں ۱۹۹۴ء میں مری ہائی وے پر سترہ میل کے مقام پر برلب سڑک ادارہ کیلئے تقریباً ۴۷ کنال وسیع اراضی خریدی، تقریباً ایک سال بعد ۱۹۹۵ء میں ادارہ کا مکمل تعلیمی نظام قائم کر کے اس جگہ پر منتقل کر دیا۔

آپ نے "ادارہ علوم اسلامی" کے قیام کے بعد اپنی تمام دیگر مصروفیات ختم کر دیں۔ اس وسیع وعریض زمین پر تمام سہولیات سے آراستہ ایک ماسٹر پلان کے تحت جدید تعمیرات کا آغاز کیا۔ جس میں خوبصورت مسجد، درس گاہیں،

جدید سہولیات کا حامل دارالاقامہ (ہاسٹل)، ایڈمن بلاک، کھیل کے میدان سمیت کئی شعبے تعمیر ہوئے اور گزرتے وقت کے ساتھ ادارہ کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے جدید تعمیرات کے اضافوں پر بھی کام جاری رہا۔ادارہ میں جدید عصری تعلیم کی بنیادی ضروریات جدید لیب وغیرہ بھی موجود ہیں۔

مولانا عثمانی رحمہ اللہ ایک جید عالم دین ہونے کے ساتھ محققانہ تصنیفی ذوق بھی رکھتے تھے، جس میں بعض علوم و فنون میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔مختلف مدارس وجامعات میں آپ کے محاضرات (لیکچرز) بھی رکھے جاتے رہے، اور بعض ادارے شارٹ کورس کی شکل میں بھی طلبہ وعلماء کے استفادہ کیلئے آپ کو بلاتے۔

آپ نے ادارہ کی تعلیمی وتنظیمی اور دعوتی مصروفیات کے باوجود چند شاہکار علمی مجموعہ کی شکل میں تالیفات بھی کی ہیں جن کو علمی حلقوں میں خوب مقبولیت بھی حاصل ہوئی، آپ کی چند نمایاں تصانیف یہ ہیں.....

(۱) مذکرات فی علم العروض (۲) مذکرات فی النحو (۳) رہنمائے طلبہ (۴) شرح العقیدۃ الطحاویہ

"ادارہ علوم اسلامی" کی ظاہری تعمیرات کے ساتھ ساتھ بنیادی طور پر اس کا منفرد انتظامی ڈھانچہ اور نظام ونصاب تعلیم بھی ہے۔جس میں درس نظامی کے نصاب کے ساتھ عصری علوم وفنون کے اضافی مضامین ومواد کو بھی شامل کیا گیا ہے۔اسی طرح تعلیم وتدریس کا طریقہ کار بھی آپ کی وسیع سوچ کا آئینہ دار ہے۔

ادارہ کو چلانے کیلئے ایک بااختیار "مجلس منتظمہ" قائم ہے جس میں سات افراد شامل ہیں۔تمام امور کی نگرانی، تبدیلی یا اضافی خدمات کیلئے مذکورہ سات افراد ہی اکثریت کی بناء پر فیصلوں کے مجاز ہیں۔جبکہ ہنگامی صورتحال میں محدود فیصلوں کیلئے کم از کم تین اراکین کا ہونا ضروری ہے، ان تین افراد میں صدر، ناظم عمومی اور ناظم مالیات شامل ہیں، کسی قسم کے انفرادی فیصلے کا اختیار اس ادارہ میں کسی کو بھی نہیں۔حیران کن بات یہ ہے کہ ان سات بااختیار افراد میں آپ کی اولاد یا خاندان کا کوئی بھی فرد نہیں ہے۔اور اس سے بھی زیادہ اہم ترین بات یہ کہ آپ نے جو اصول طے کیا ہوا تھا اس کے مطابق آپ کی رحلت کے فوری بعد ان سات افراد میں سے ہی ایک کو آپ کی جگہ پر "صدر" کے منصب پر منتخب کیا گیا، اور اس طے کردہ اصول کی روشنی میں آپ کے جنازہ سے قبل ہی اس منصب صدارت کیلئے اسی ادارہ سے ۲۰۰۵ء میں سند فراغ حاصل کرنے والے "مولانا عبداللہ محمد اقبال" سلمہ اللہ کو منتخب کر دیا گیا۔مولانا موصوف کافی عرصہ اس ادارہ کے اسکول کے پرنسپل کی ذمہ داریاں بھی انجام دیتے رہے ہیں۔اللہ تعالی مولانا موصوف سمیت دیگر اراکین مجلس منتظمہ کو بانی ادارہ کی مانند ادارہ کی فکری وتدریسی اور تعلیمی میدان میں خوب خوب ترقی کا ذریعہ بنائے۔اس گلشن عثمانی کے حق میں یوں ہی کامرانیاں مقدر فرمائے۔آمین!

مولانا عثمانی رحمہ اللہ کی دوراندیش فکر سے لبریز وضع کردہ یہ نظام ہی اس ادارہ کی کامیابی کی اصل بنیاد ہے۔ایک

مہذب معاشرہ کے تمام ضروری شعبوں کیلئے افرادسازی اس ادارہ کا خصوصی امتیاز رہا ہے۔ان شعبوں میں ملکی دفاع کے اداروں سے لیکر میڈیکل سائنس تک..... انجینئرنگ سے لیکر انفارمیشن ٹیکنالوجی تک.....اور کاروبار سے زراعت تک کون سا ایسا شعبہ اور فیلڈ ہے جہاں اس ادارہ کے تربیت یافتہ افراد خدمات انجام نہیں دے رہے .....جبکہ کمال یہ ہے کہ مذکورہ شعبوں میں مہارت حاصل کرنے والے یہ تمام افراد ایک مکمل مستند دین کے عالم و فاضل اور قرآن کے حفاظ ہیں۔

اس وقت تقریبا ساڑھے آٹھ سو طلبہ اس ادارہ میں زیر تعلیم ہیں جبکہ پچاس کے قریب قابل احترام اساتذہ مصروف عمل ہیں اور بعض دیگر شعبوں سے وابستہ اشخاص بھی اس ادارہ سے منسلک ہیں۔ "ادارہ علوم اسلامی" کا کمال رہا ہے کہ اس نے اس قسم کے نام نہاد دعوؤں کی بجائے عملی طور پر مکمل اسلامی طرز و انداز تعلیم و تربیت ہی کے ذریعہ گزشتہ تین دہائیوں سے یہ خدمات انجام دی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اکابر وقت کی ہمہ وقت سرپرستی بھی اس ادارہ کو الحمدللہ حاصل رہی۔مولانا عثمانی رحمہ اللہ جیسے دوراندیش محقق علمی شخصیت کے قائم کردہ ادارہ میں مثالی تربیت کا نظام بھی ہے۔اس ادارے میں پڑھنے والے طلبہ کی نصابی و غیر نصابی صحت مندانہ مثبت سرگرمیوں کے ساتھ بہترین اخلاقی تربیت کیلئے فعال و باصلاحیت منتظمین اور نگران عملہ کا انتخاب مکمل میرٹ پر کیا،اور اب تو ادارہ میں خدمات انجام دینے والے تقریبا اسی ادارہ کے فیض یافتہ ہی ہیں۔

بہت کم اداروں کو ایسے مخلص و مستعد افراد ملتے ہیں،اور اگر انتھک محنت و اہلیت رکھنے والے مل جائیں تو وہ ادارہ تعمیر و ترقی کی منازل یقیناً تیزی سے کرتا ہوا چمک جاتا ہے، پھر ایسے ہی ادارے شخصیات ساز بن جاتے ہیں۔بعض ادارے شخصیات سے منسلک ہوتے ہیں،وہاں پھر اس شخصیت کے جانے سے ادارہ کو نقصان کا اندیشہ رہتا ہے۔

ہمارے محترم مولانا عثمانی رحمہ اللہ نے اپنے ادارہ میں خدمات انجام دینے والوں کیلئے بھی کئی منفرد اصول وضوابط وضع کئے تھے، جو دیگر اساتذہ و منتظمین اور نگران عملہ کے ساتھ اپنی ذات کو بھی انہوں نے ان رہنما اصولوں کا پابند بنایا۔کئی اہم چیزوں میں ایک یہ بھی ہے کہ وسیع رقبہ پر قائم ادارہ کی حدود میں اپنی ذات سمیت مستقل اور کل وقتی منتظمین کی رہائش گاہیں نہیں بنائیں،آپ خود بھی کچھ مسافت پر ایک رہائشی علاقہ میں قیام پذیر رہے اور دیگر اساتذہ و منتظمین کیلئے بھی ادارہ کے باہر الگ رہائشیں حاصل کر کے دی گئیں۔راقم نے ان سے اس موضوع پر بات کرتے ہوئے ادارے کیلئے ضرورت کا سوال کیا تو آپ نے اداروں کے اندر رہائش گاہوں کی بعض اہم خرابیوں وخامیوں کی نشاندہی کی،ان کی باتوں سے جہاں حقیقت کا ادراک ہوا وہیں ان کی بلیغ و دوراندیش فکر کا احساس بھی ہوا۔

مولانا عثمانی رحمہ اللہ نے جب اس دانش گاہ کی بنیاد رکھی تھی تو اس وقت اکثر اصحاب علم نے اس کام کو مشکل ترین

سمجھا،اور مولانا مرحوم کو بھی ایسی وسیع تعلیمی فکر کو عملی صورت دینے کیلئے پروفیشنل افراد کی دستیابی سمیت کئی چیلنجز درپیش رہے۔اس بات کو انہوں نے بڑے خوبصورت الفاظ میں سناتے ہوئے کہا کہ: "ایک غریب گھرانے کے غریب فرد نے بہت بڑا خواب دیکھا اور عدم وسائل کا بھی سامنا تھا مگر اللہ کی مدد و نصرت مستقل شامل حال رہی اور ادارہ نے کچھ مقاصد حاصل کئے۔" آپ کی اس نوع کی گفتگو سے تواضع اور انکساری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا عثمانی رحمہ اللہ سے تعلق تو تقریبا تین دہائیوں سے تھا،لیکن کئی احوال کی وجہ سے گزشتہ ایک سال سے کافی قربت کا تعلق ہوگیا تھا۔اس بناء پر ہماری مختلف نشستوں میں ان کی مخلصانہ کاوشوں کی داستانوں سے آگاہی بھی حاصل ہوئی اور جن تکلیف دہ مراحل اور عزیمت کا ان کو سامنا کرنا پڑا اس سے ان کی فراست وحکمت کے کئی پہلو بھی راقم پر آشکارا ہوئے۔ایام مرض سے قبل تک اکثر ان کے صوتی پیغامات راقم کو موصول ہوتے رہتے تھے،یقیناً ان کا بڑا پن تھا کہ بعض اہم امور میں مشاورت بھی فرماتے۔آپ نے اپنے ادارہ کے نظام کو فرد واحد کی بجائے حقیقی مشاورتی نظم کے تحت جن مضبوط انتظامی خطوط پر استوار کیا تھا ان کے دنیا سے جانے کے فوری بعد ہی خوشگوار عمل کی صورت میں ظاہر ہوا۔

ادارہ کے کامیاب مستقبل کیلئے انہوں نے ادارہ ہی کے تربیت یافتہ باصلاحیت افراد کا انتخاب کیا تھا۔جس پر عمل ہوا اور ان کی منشاء کے عین مطابق فکری اسلوب کی سرفرازی وکامرانی سامنے آئی۔ان کی عالی تربیت کی مخلصانہ تاثیر اور زرین اصولوں پر ادارہ کا نظم وانصرام رائج اور نافذ ہوا۔اور آج ان کی روح کیلئے یقیناً باعث تسکین اور نجات آخرت کا الحمدللہ عظیم صدقہ جاریہ بن گیا۔اتنے بڑے ادارہ کے "بانی" اور "صدر" ہونے کے باوجود آپ اپنا نظام زندگی اپنی مقرر کردہ تنخواہ سے چلاتے تھے،جبکہ آبائی علاقہ میں خاندانی زمینی اثاثہ بھی تھا،آخری چند ماہ قبل اپنی آبائی زمین کا کافی حصہ آپ نے فروخت کر کے حاصل ہونے والی اس آمدنی سے آپ نے ادارہ کو وہ ساری رقم واپس کردی جو آپ نے ادارہ سے تنخواہ یا کوئی بھی ضروری مراعات اور سہولت کی مد میں حاصل کی تھی۔

کچھ عرصہ قبل راقم کو بتایا کہ میں ادارہ کا مقروض ہوں اور اپنے اس قرض کی ادائیگی کیلئے ذاتی استعمال کی گاڑی بھی فروخت کردی تھی۔یہ سب باتیں آج یاد آرہی ہیں تو دل پر ان کی فرقت کے بوجھ کے احساس کے ساتھ قلبی خوشی بھی ہورہی ہے کہ ہمارے ایسے باصفاء بڑوں کے عالیشان کردار کے طفیل ہی ان مراکز دینیہ کی تعلیمی وروحانی ترقی کے اسباب ہمارے سامنے آتے ہیں جو دیگر اداروں کے لیے رول ماڈل بنتے ہیں۔دوسری بات یہ بھی راقم کے لیے باعث راحت رہی کہ آپ نے اپنا سب کچھ واپس کر کے فانی دنیا کا حساب صاف کیا اور اپنی آخرت کی منزلوں کو کامیابی سے سنوار دیا۔

مولانا عثمانی رحمہ اللہ بہترین منتظم ہونے کے ساتھ باکمال مدرس بھی تھے، درس نظامی کی اکثر کتب کے علاوہ دیگر فنون پر مختلف درس دینے کا بھی مستقل معمول رہا، تدریسی ذوق سے آپ کو فطری لگاؤ تھا۔

ہمارے حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ جو کہ مولانا عثمانی رحمہ اللہ کے رفیق خاص تھے، اور راقم کی مولانا عثمانی سے شناسائی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی وجہ سے ہی ہوئی تھی۔ مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ان کی تدریسی قابلیت اور دقیق علمی ذوق کا بتاتے ہوئے فرمایا تھا کہ " کئی ایسے علوم وفنون ہیں جو آج کل کے مدرسین کو بوجھ لگتے ہیں۔ ان تمام فنون پر مولانا عثمانی کو عبور حاصل ہے۔" اور حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ نے علم العروض، فلسفہ اور بلاغت کا خصوصیت سے ذکر فرمایا تھا۔ مولانا عثمانی رحمہ اللہ کو عربی، اردو اور فارسی زبان پر بھی مکمل دسترس تھی، جس میں عربی ادب کی فنی گہرائیوں سے خوب واقفیت کے ساتھ اعلیٰ ذوق بھی تھا۔

عصری و دینی علوم کے امتزاج والے کئی ادارے اس وقت الحمدللہ ملک بھر میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں، لیکن وہ تمام ایک معین لیول تک محدود ہیں، جبکہ "ادارہ علوم اسلامی" ابتداء سے لیکر اعلی ترین درجات تک پڑھا رہے ہیں جس سے ان کی شاندار تعلیمی کارکردگی کو پرکھا جاسکتا ہے۔

درس نظامی کے درجات میں وفاق المدارس کے امتحانات میں اس ادارہ کے طلبہ نمایاں نمبرات کے ساتھ سرفہرست ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح فیڈرل بورڈز کے تحت گزشتہ دو دہائیوں سے زائد عرصہ میں پچاس سے زائد پوزیشنیں حاصل کرنے کا ایک امتیازی ریکارڈ بھی اس ادارہ نے بنایا ہے۔ جبکہ پنجاب یونیورسٹی سے بھی یہ ادارہ منسلک ہے اور وہاں بھی اس ادارہ کے طلبہ نے ٹاپ پوزیشن حاصل کر کے اپنی تعلیمی قابلیت کو منوایا ہے۔

تحفیظ و تجوید سے لیکر مکمل درس نظامی کے تمام درجات کی تعلیم کے ساتھ عصری طور پر گریجویشن تک اکثر طلباء دونوں نصاب کو پڑھتے ہیں، یعنی یونیورسٹی لیول تک مکمل تعلیمی نظام اس ادارہ کے تحت جاری ہے۔

آپ مہمان نواز اور قدردان شخصیت تھے، آپ کی وفات سے چند ماہ قبل راقم ملاقات کے لیے ادارہ علوم اسلامی حاضر ہوا تو آپ نے محبت وشفقت سے نوازا، راقم کے ساتھ ایک میڈیا گروپ کی ٹیم بھی تھی، جس میں ایک ہمارے محبوب دوست محترم احسان کوہاٹی بھی موجود تھے، میڈیا کے دوستوں کے اس دورہ میں ادارہ کے مختلف شعبوں کی کارکردگی پر پریزنٹیشن کے ساتھ مفصل بریفنگ بھی دی، جو یقیناً آنے والے تمام احباب کیلئے بہت ہی خوشگوار اور حیران کن واقعہ تھا۔

چند روز بعد راقم کے آبائی علاقہ بہبودی چھچھ تشریف لائے، اور راقم کے اصرار پر گاؤں میں موجود ہمارے ادارہ جامعہ علوم اسلامیہ بھی تشریف لے گئے اور طلبہ سے "اکابر کے مزاج واسلوب کو سمجھ کر ان پر مضبوط اعتماد کے اظہار"

کے موضوع پر بیان کیا اور اپنے تجربات کی روشنی میں قیمتی نصائح سے علماء وطلباء کو مستفید فرمایا۔

امسال عید الفطر کے فوری بعد مدارس کے بعض نئے بورڈز کے تناظر میں لاہور جامعہ اشرفیہ میں وفاق المدارس کی مجلس شوریٰ اور عاملہ کے الگ الگ اہم اجلاس منعقد ہوئے، جس میں آپ نے شرکت کر کے جدید نصاب اور طرز تعلیم کے نام پر قائم کئے گئے بورڈز کو مسترد کرتے ہوئے اپنے عملی تجربہ کی روشنی میں مدلل اور جامع گفتگو فرمائی، اور وفاق المدارس کے نظام تعلیم و درس نظامی کے نصاب کی افادیت واہمیت کے ساتھ مکمل اعتماد کا اظہار بھی کیا۔

مولانا عثمانی رحمہ اللہ جدید ترین اعلیٰ عصری تعلیمی ادارہ کے بانی ہونے کے باوجود اکابر واسلاف کے متعین کردہ طرز تعلیم وتربیت کو ہی دینی مراکز کیلئے ضروری تصور کرتے تھے، اور مدارس وجامعات کے حوالے سے کسی بھی اجتماعی مہم میں آپ نمایاں طور پر موجود ہوتے۔ وقف املاک ایکٹ کے حوالے سے اسلام آباد اور راولپنڈی کے علماء نے جس تحریک کا آغاز کیا ہوا ہے آپ کا تعاون بھی اس میں مستقل شامل رہا۔

کچھ عرصہ قبل آخری بار جب کراچی تشریف لائے تو اطلاع دی لیکن بدقسمتی سے راقم سفر میں ہونے کی وجہ سے ملاقات سے محروم رہا۔ تقریباً ایک ہفتہ قبل آپ کی ناسازی طبع کی اطلاع ملی تو "ادارہ علوم اسلامی" سے منسلک متحرک فاضل نوجوان برادرم مولانا عبدالرحیم اسد سے رابطہ پر مرض کی کیفیت کا علم ہوا، دوروز بعد اسلام آباد کی طرف جانا ہوا اور ہسپتال حاضر ہو کر عیادت کی کوشش کی لیکن ملاقات پر پابندی اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے زیارت سے تو محروم رہا لیکن مولانا موصوف سلمہ اللہ کو اللہ خوب جزائے خیر عطاء فرمائے انہوں نے روزانہ مولانا عثمانی رحمہ اللہ کی صحت کی بدلتی صورتحال سے مستقل آگاہ کیا، آخری رات کو بھی ان کے صوتی پیغام سے مرض کی شدت میں اضافہ اور تشویشناک صورتحال کا علم ہوا۔ آپ عالمی وبائی مرض کا شکار ہوئے اور چند روز میں تیزی سے مرض در مرض کی شدت کا سامنا رہا اور بالآخر بروز منگل ۲۴/ اگست ۲۰۲۱ء بوقت صبح جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

اسی روز سہ پہر چار بجے "ادارہ علوم اسلامی" میں آپ کے فرزند مولوی عثمان عثمانی سلمہ اللہ نے نماز جنازہ کی امامت کی، جس میں سیکڑوں علماء وہزاروں طلبہ وعوام نے شرکت کی۔ بعد ازاں آپ کی رہائش کے قریب قبرستان میں تدفین عمل میں لائی گئی۔

آپ ماشاءاللہ کثیر الاولاد تھے، تین شادیاں کیں، جن سے آپ کے نو بیٹے، آٹھ بیٹیاں اور دو اہلیہ حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی نسبی اولاد کو بھی اپنے عظیم والد کی مانند دین کا مربی، محافظ اور نگہبان بنائے اور رب تعالیٰ اپنی رضاء کے مطابق خوب خوب سرفرازی نصیب فرمائے، حضرت عثمانی رحمہ اللہ کے درجات عالیہ کو بھی خوب بلند فرمائے اور اس مرکز تعلیم وتربیت سے تاقیامت یوں ہی صدا فیض جاری رہے۔ آمین! ☆☆

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر انتظام

پشاور میں عظیم الشان خدمات دینی مدارس کنونشن

مولانا مفتی سراج الحسن

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر انتظام جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ مسجد درویش پشاور صدر میں عظیم الشان تقریب بعنوان'' خدمات دینی مدارس کنونشن'' بسلسلہ تقسیم انعامات پوزیشن ہولڈرز طلبہ و طالبات (1442,41) منعقد ہوئی۔اس موقع پر وفاق المدارس العربیہ کے گزشتہ دوسالہ امتحانات میں پوزیشن ہولڈر طلبہ اور طالبات کو انعامات سے نوازا گیا۔تقریب کی صدارت وفاق المدارس کے سینئر نائب صدر و مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے کی۔واضح رہے کہ تقسیم انعامات کے سلسلے میں یہ دوسری بڑی تقریب تھی۔جس میں صوبہ خیبر پختونخوا کے پشاور،مردان،ہزارہ ڈویژن کے علاوہ ضلع کوہاٹ،ہنگو اور اس سے ملحقہ علاقہ جات اورکزئی اور کرم ایجنسی کے مدارس کے مہتممین و منتظمین نے شرکت کی۔جبکہ صوبہ خیبر پختونخوا جنوبی اور شمالی اضلاع کے مدارس کی تقریبات بھی انعقاد پذیر ہوں گی۔تقریب میں شرکت کی عمومی دعوت نہیں تھی، بلکہ صرف متعلقہ ڈویژنوں کے اضلاع کے مدارس کے مہتممین/منتظمین کو مدعو کیا گیا تھا،تاہم اس کے باوجود بھی حاضری اتنی بھرپور رہی کہ منتخب افراد کا یہ اجتماع کسی بڑے جلسہ عام کا منظر پیش کر رہا تھا۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سرپرستوں پیر طریقت حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب مدظلہ العالی کی شرکت نے تقریب کی رونق مزید بڑھادی۔وفاق المدارس صوبہ خیبر پختونخوا کے ناظم حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی فکر مندی،سلیقہ شعاری،دن رات محنتوں اور انتھک کوششوں سے مذکورہ تقریب ہر اعتبار سے منظّم اور کامیاب رہی۔ آپ نے کنونشن کو کامیاب بنانے کے لیے منتظمین کے ساتھ کئی اجلاسات کیے جس میں باہمی مشاورت سے تمام امور کو حسن انتظام کے ساتھ حتمی شکل دی گئی۔آپ کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ محدود وسائل کو بروئے کار لاکر زیادہ سے زیادہ مقاصد حاصل ہوں۔نیز جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ مسجد درویش پشاور صدر کے جملہ منتظمین،اساتذہ کرام بالخصوص مہتمم جامعہ حافظ محمد داؤد فقیر صاحب،نائب مہتمم حافظ محمد صاحب اور ناظم جامعہ مولانا مفتی سلیمان فدا صاحب کی شبانہ روز محنتوں کا بھی تقریب کی کامیابی میں اہم کردار ادا رہا۔وفاق المدارس العربیہ پاکستان ادارہ ہذا

اور ضلع پشاور کے دیگر جید علمائے کرام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ نیز ناظم دفتر وفاق حضرت مولانا عبدالمجید صاحب اور دیگر دفتری عملہ کے تعاون اور محنتوں کی بدولت تقریب کے حسن انتظام میں مزید آسانی رہی۔ اللہ تعالی سب حضرات کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

تقریب سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، سینئر نائب صدر حضرت مولانا انوار الحق صاحب، ناظم اعلی وفاق حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب، سرپرست وفاق المدارس العربیہ پاکستان حضرت مولانا فضل الرحیم اشرفی صاحب، سرپرست وفاق المدارس حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب، نائب صدر وفاق المدارس العربیہ حضرت مولانا سعید یوسف صاحب، جامعہ عثمانیہ پشاور کے مہتمم حضرت مفتی غلام الرحمٰن صاحب، ناظم وفاق المدارس صوبہ خیبر پختونخوا حضرت مولانا حسین احمد صاحب، ناظم وفاق المدارس العربیہ صوبہ بلوچستان وممبر قومی اسمبلی حضرت مولانا صلاح الدین ایوبی صاحب، رکن عاملہ وفاق وممبر قومی اسمبلی حضرت مولانا محمد انور صاحب، جمعیت علمائے اسلام کے صوبائی جنرل سیکرٹری حضرت مولانا عطاء الحق درویش صاحب کے علاوہ دیگر جید علمائے کرام نے خطاب کیا۔

سرپرست وفاق حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب نے اپنے مختصر خطاب میں باہمی اتفاق واتحاد پر زور دیتے ہوئے کہا کہ وفاق المدارس ہم سب کا مشترکہ اثاثہ ہے۔ دینی مدارس کے لیے سائبان ہے لہذا اس کی حفاظت کے لیے پوری طرح کوشش کی جائے۔ آپ نے مزید کہا کہ موجودہ صدر وفاق غیر متنازعہ اور ہمیشہ اتفاق واتحاد کے لیے کوشش کرنے والی شخصیت ہیں۔ تمام مکاتب فکر میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاسکتے ہیں۔

سرپرست وفاق ومہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب نے اپنی مختصر گفتگو میں صدر وفاق حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی خدمات کو زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ آپ کا انتخاب ہم سب کے لیے اعزاز ہے۔

صدر وفاق حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان پچیس لاکھ طلبہ وطالبات کا نمائندہ ادارہ ہے۔ اس وقت 23 ہزار سے زائد مدارس وفاق المدارس کے ساتھ ملحق ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت مدارس کو ختم نہیں کرسکتی۔ بشرطیکہ ہم اپنے اکابر کے مزاج اور معیار تعلیم وعمل کے مطابق اپنے مدارس چلائیں۔ ہم کسی کے بھی دشمن نہیں ہیں۔ ہمارے سامنے اگر کوئی حق سچ کی بات کرے گا تو اس کی تائید کریں گے۔ لیکن اگر کوئی باطل پر چلنے پر مجبور کرے تو مرتے دم تک اس کا مقابلہ کریں گے۔

سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہم نے اپنے خطاب میں کہا

کہ حکومت دینی مدارس کی بجائے اپنے تعلیمی اداروں کی فکر کرے۔ہم ملکی امن وسلامتی اور استحکام پر یقین رکھتے ہیں۔ مدارس کا نصاب اپنے مقاصد سے ہم آہنگ ہے۔دینی مدارس کے طلبہ وطالبات میں روز بروز اضافہ مدارس پر معاشرے کے اعتماد کی دلیل ہے۔ یہ مدارس اپنی بے سروسامانی کے باوجود قوم کے بچوں کو مفت تعلیم دیتے ہیں۔مدارس کا بنیادی مقصد قرآن وحدیث ودیگر دینی علوم کی اشاعت ہے یہی وجہ ہے کہ طاغوتی قوتیں مدارس کا وجود بھی برداشت نہیں کرتیں۔وفاق المدارس العربیہ پاکستان دینی مدارس کا سب سے ذمہ دار دینی ادارہ ہے۔یہ مدارس کے لیے ایک ڈھال ہے۔

ناظم اعلیٰ وفاق حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب مدظلہ العالی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دینی مدارس کی تعلیمی اور رفاہی خدمات روز روشن کی طرح واضح ہیں ۔مدارس اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ ہماری تہذیب وتمدن کے بھی محافظ ہیں۔مدرسہ دین اسلام،اسلامی تہذیب اور اسلامی عقائد ونظریات کا پہرے دار ہے اور ان پہرے داروں کا پہرہ دار وفاق المدارس ہے۔دینی مدارس لاکھوں خواتین اور بچیوں کو مفت تعلیم دے کر ملک کی شرح خواندگی میں اضافہ کررہے ہیں۔یہ مدارس ملک کی خدمت اور حفاظت اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں،نیز پاکستان کی ہمہ قسم تعلیمی ورفاہی دینی خدمات جاری رکھنے اور ملک کی نظریاتی سرحدوں کا دفاع کرنے کے لیے ہمیشہ کی طرح چاق و چوبند رہنے کے عزم کا اظہار کرتے ہیں۔دینی مدارس پاکستان کی نظریاتی اور جغرفیائی سرحدوں کے محافظ نیز پرائیویٹ سیکٹر میں مفت دینی اور عصری تعلیم کی عظیم تحریک ہیں۔معاشرے میں دینی بیداری مدارس کی مرہون منت ہیں۔دینی مدارس اسلامیان عالم کی دینی ضروریات پوری کررہے ہیں۔دینی مدارس نے ہمیشہ امن اور ملکی سلامتی واحترام کی بات کی ہے۔اسلام امن،محبت بھائی چارے اور احترام انسانیت کا درس دیتا ہے اور مدارس میں یہی پڑھا یا جارہا ہے۔اس کے علاوہ کچھ نہیں سکھایا جارہا ہے۔مدارس کا دہشت گردی اور انتہا پسندی سے کوئی تعلق نہیں۔اگر مدرسہ کا تعلق دہشت گردی سے جوڑا جاتا ہے تو پھر ماننا ہوگا کہ نعوذ باللہ اسلام دہشت گردی کا مذہب ہے۔آپ نے مزید کہا کہ مدارس کی حریت وآزادی پر ہم نے کبھی سمجھوتہ کیا ہے نہ کریں گے۔مدارس کی آزادی وحریت یک نکاتی ایجنڈا ہے ہم ہر قیمت پر اس کا تحفظ کریں گے۔مدارس کی حریت وآزادی ہمیں اپنی جان سے بھی عزیز ہے۔مدارس رجسٹریشن کے حوالے سے ہم اپنے موقف پر ڈٹے ہیں۔ ہم مدارس کا تحفظ اور دفاع کرنا بخوبی جانتے ہیں۔ رجسٹریشن میں مدارس کبھی رکاوٹ نہیں بنا ہے۔مدارس کے بینک اکاونٹس منجمد کرنا کسی بھی طرح درست اقدام نہیں۔ کوائف طلبی کے نام پر مدارس کو تنگ کرنا قابل مذمت ہے۔مدارس کے خلاف مغربی ایجنڈے کی تکمیل نہیں کرنے دیں گے۔آپ نے مزید کہا کہ وفاق المدارس تمام مدارس کا چوکیدار ہے جو گزشتہ 65 سال سے مدارس کی خدمت

میں مصروف عمل ہے۔اسلامی ممالک میں دینی مدارس کی ایسی فعال اور مربوط تنظیم کی مثال نہیں ملتی۔وفاق المدارس ہمارے اکابر کے ورثہ کا محافظ اور امین جماعت ہے لہذا اس سنہری لڑی سے جڑے رہے۔آپ کا ماضی بھی روشن ہے اور حال بھی۔وفاق المدارس پچیس لاکھ طلبہ وطالبات کا نمائندہ ادارہ ہے۔موجودہ دور میں عالم اسلام کی مشہور شخصیت وفاق کی صدر ہے اور ان کا نام حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے پیش کیا اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب وفاق کے سرپرست ہیں۔حضرت مولانا انوار الحق صاحب کی وفاق کے ساتھ محبت وعقیدت کو میں سلام پیش کرتا ہوں۔بہرحال یہ جتنے بھی شیوخ عظام سٹیج پر تشریف فرما ہیں ان سب کا وفاق کے ساتھ عقیدت واحترام ہے۔ہم اپنے مدارس کو آباد رکھیں گے دین اسلام کا تحفظ اور سربلندی کی خدمت سرانجام دیتے رہیں گے۔حکومتوں کی ناپاک کوششیں ہمیشہ کی طرح ناکام ہوگی۔

تقریب سے نائب صدر وفاق حضرت مولانا سعید یوسف صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ دینی مدارس کے خلاف مغربی ایجنڈے کی تکمیل نہیں ہونے دیں گے۔آج دینی مدارس کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کی جاتی ہیں تاہم مدارس کو محفوظ رکھنے کے لیے جہاں ایک طرف رجوع الی اللہ ضروری ہے تو دوسری طرف اتفاق واتحاد اور باہمی الفت ومحبت کی بھی ضرورت ہے۔

ناظم وفاق المدارس صوبہ بلوچستان حضرت مولانا صلاح الدین ایوبی صاحب نے کہا کہ دین اسلام کی بنیاد مدارس ہیں۔آج مدارس کو قومی دھارا میں لانے کی باتیں کی جارہی ہیں حالانکہ مدارس پہلے ہی سے قومی دھارے میں شامل ہیں۔دینی مدارس نے اپنی خودمختاری اور آزادانہ کردار کا ہر دور میں تحفظ کیا ہے جس کے باعث وہ معاشرہ میں دین کی اصل تعلیمات کو پیش کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔

تقریب سے جامعہ عثمانیہ کے مہتمم مفتی غلام الرحمٰن نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کہ طلبہ ہمارے پاس بہت بڑی امانت اور قوم کا مستقبل اور والدین کی امیدوں کا محور ہیں۔شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدرسہ میں دو چیزیں خاص طور امانت ہوتی ہیں (1) لوگوں کا پیسہ کہ عموماً ہمارے ہاں اس میں امانت ودیانت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے (2) طالب علم۔ہمیں اس امانت کی خاص خیال رکھنی چاہیے کہ ان بچوں کی تعلیم وتربیت ہر وقت ہمارے پیش نظر رہے۔ہر چیز میں طلبہ کے مفاد پیش نظر ہوں۔

تقریب سے اراکین عاملہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، حضرت مولانا محمد انور صاحب، حضرت مولانا سید عبدالبصیر شاہ صاحب، حضرت مولانا حسن جان صاحب، حضرت مولانا محمد طاہر کے علاوہ متعلقہ اضلاع کے مسئولین وفاق نے بھی شرکت کی۔اس تقریب کا اختتام حضرت مولانا انوار الحق سینئر نائب صدر وفاق کی دعا سے ہوا۔☆☆

’کشف الہدایہ‘ اردو ترجمہ ’الہدایہ‘

جلد اوّل، کتاب الطہارۃ تا کتاب الحج

مترجم: مولانا پروفیسر غازی احمدؒ۔ صفحات: 568۔ سائز: 8/36×23۔ طباعت: عمدہ، دوکلر پرنٹنگ۔ ملنے کا پتا: ادارہ الفاروق، جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی۔ رابطہ نمبر 021-34599167

’الہدایہ‘ شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی (م: ۵۹۳ھ) کی مشہور و معروف تصنیف ہے جو ہمارے مدارس میں داخل نصاب ہے۔ شیخ الاسلام علی بن ابی بکر مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ فقیہ، محدث، ہنر، ماہر علوم و فنون، دقیقہ اس محقق تھے، ماہر اصولی، ادیب و شاعر تھے۔

شیخ الاسلام مرغنیانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ’’ہدایہ‘‘ ہمارے مذہب حنفی کی مقبول و مستند کتاب ہے، اور اپنی گوناگوں عالیشان خصوصیات کی بنا پر گزشتہ کئی صدیوں سے درسی نصاب میں شامل ہے۔ اس کتاب کی قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ تصنیف کے بعد سے اب تک اس کے درجنوں شروح و تراجم ہو چکے ہیں۔ بیسیوں علماء امت نے اس پر حواشی لکھے ہیں، اور یہ سلسلہ ہنوز جاری و ساری ہے۔

اس کتاب کی تاریخ یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے اولاً ’’بدایۃ المبتدی‘‘ کا متن تیار کیا، پھر ’’کفایۃ المنتہی‘‘ کے نام سے تقریباً اسی جلدوں میں اس کی شرح لکھی۔ جب اس شرح کی فراغت کے قریب پہنچے تو محسوس ہوا کہ کتاب اتنی طویل ہو چکی ہے کہ اسے کوئی نہیں پڑھے گا، اس لیے ’بدایۃ المبتدی‘ کی دوسری شرح لکھی اور اس کا نام ’’ہدایہ‘‘ رکھا۔ کتاب کا مقام و مرتبہ اہل علم خوب جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو عظیم مقبولیت عطا فرمائی، عالم اسلام کا کوئی کتب خانہ ایسا نہیں جو اس کتاب سے یا اس کی شرح سے خالی ہو، ائمہ کبار، فقہاء و محدثین، مفسرین اور محققین نے نہ صرف اس کتاب سے نفع اٹھایا بلکہ بہت سوں نے اس کی شروح لکھیں، اگر صرف اس کے تراجم اور شروحات کو جمع کیا جائے تو ایک پورا کتب خانہ بھر جائے۔

زیر تبصرہ کتاب ’’کشف الہدایہ‘‘ اسی کا رَواں اردو ترجمہ ہے، جو مولانا پروفیسر غازی احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ ترجمے کے ذکر سے قبل کچھ تذکرہ مترجم ہدایہ کا ہو جائے، مولانا پروفیسر غازی احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک ہندو گھرانے میں ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے، نام کرشن لال تھا، کہنے کو ظلمتوں کے گڑھ میں پرورش پا رہے تھے، مگر بخت اوج پر

تھا،قدرت الٰہی مہربان تھی، والدین کے گھر میں پلے بڑھے، آٹھویں کلاس میں تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، اور خواب میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرشن لال کو کلمہ پڑھایا، اس مبارک خواب نے آپ کی زندگی بدل دی، اور چُھٹپن میں ہی مسلمان ہوگئے، نام غازی احمد رکھا گیا۔ والدین کو معلوم ہوا تو اسلام سے پھیرنے کی پوری کوشش کی، سختیاں کیں، اذیتیں دیں، مگر یہ ثابت قدم رہے۔ آپ مولانا قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہ کر دینی و دنیوی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ آپ فاضل درس نظامی ہونے کے ساتھ ساتھ فاضل فارسی، ایم او ایل بی ایڈ اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ انہوں نے اپنے قبول اسلام کی داستان ''من الظلمات الی النور'' کے نام سے لکھی ہے، جس کی ایمانی تاثیر قلوب میں ایمان ویقین کی شمعیں روشن کر دیتی ہے۔ آپ کی وفات اگست ۲۰۱۰ء کو لاہور میں ہوئی۔ آپ کی متعدد تصانیف میں 'من الظلمات الی النور'، اصول الشاشی کا عام فہم ترجمہ، موسیٰ بن نصیر رحمہ اللہ کے حالات زندگی پر کتاب اور مشکوٰۃ شریف کی منتخب احادیث کا انگریزی ترجمہ Saying of Holy Propht کے نام سے چھپ چکا ہے، انہی کتب میں سے ایک زیر تبصرہ ترجمہ ہدایہ ہے۔

ہدایہ کا مذکورہ ترجمہ اردو زبان میں اپنی معنویت، سلاست، جودت اور ثقاہت کے اعتبار سے منفرد اور مسلّم شمار ہوتا ہے۔ ہدایہ حنفی مذہب کے قانون کی کتاب ہے۔ مترجم مولانا غازی احمد رحمۃ اللہ علیہ جدید وقدیم علوم کے فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ ایل ایل بی ہونے کے ناطے عصری قانون کے بھی رمز شناس تھے؛ اس لیے ان کے ترجمۂ ہدایہ میں ایک خاص ندرت پائی جاتی ہے۔ یہ ترجمہ گزشتہ پچاس پچپن برس سے نہ صرف ہمارے درسی حلقوں میں معروف ومتداول ہے بلکہ کورٹس میں بھی اس ترجمے کو اہمیت حاصل ہے، اور ملک کے اکثر قانون دان اپنے مقدمات کی اسٹڈی کے دوران اس ترجمے سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

ہمارے سامنے اس وقت جو نسخہ ہے اسے ملک کے موقر اشاعتی ادارے 'ادارہ الفاروق' نے حضرت مولانا عبیداللہ خالد زید مجدہم کی سرپرستی میں جدید انداز میں شائع کیا ہے۔ اس کی اشاعت سے قبل جناب مولانا مفتی معاذ خالد اور مولانا عمار خالد نے مولانا پروفیسر احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے پروفیسر طٰہٰ جلیل صاحب کے پاس جاکر ان سے اس ترجمے کو جدید انداز میں شائع کرنے کے لیے اجازت لی۔ ترجمے کی نئے سرے سے کمپوزنگ، تحقیق ومراجعت اور ترتیب جدید کا کام جناب مفتی سلمان عبدالقیوم نے انجام دیا ہے۔

اس نسخے کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱.....شیخ سائد بن یحییٰ بکداش حفظہ اللہ نے ہدایہ پر نہایت قابل قدر تحقیقی کام کیا ہے، ان کے محقق نسخہ ہدایہ کے متن کو کشف الہدایہ کا متن بنایا گیا ہے۔ سائد بکداش کے نسخے میں جو عبارات دیگر نسخوں سے زائد تھیں ان کا سرخ

قوسین میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

۲.....کتاب کی جن عبارات کا ترجمہ مترجم سے سہواً رہ گیا تھا ان عبارات کا ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

۳.....متعدد مقامات پر قوسین کے درست جگہ پر نہ ہونے سے کتاب کے ترجمے اور پروفیسر صاحب رحمہ اللہ کی تشریحی وضاحتوں سے جو خلط پیدا ہو گیا تھا اسے دور کر کے قوسین کو درست جگہ پر لگانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۴.....مکمل متن پر اعراب لگا دیے گئے ہیں۔

۵.....ہر باب کے آغاز میں باب کے عنوان کی آسان لغوی و اصطلاحی تعریف لکھ دی گئی ہے۔

۶.....اردو عبارتوں میں ہر مسئلہ پر عنوان اور ہر مسئلہ کا نمبر لگایا گیا ہے، بعض مقامات پر مسائل کی باہمی مطابقت اور مناسبت کے لحاظ سے مسائل کو ایک ہی عنوان کے تابع کر دیا گیا ہے۔

۷.....عبارت میں سہو کاتب کی درستی کر دی گئی ہے۔

۸.....عربی عبارات اور اردو ترجمے میں مطابقت کے لیے عربی اور اردو عبارت میں مسئلہ نمبر لگانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔اسی طرح متن اور ترجمے کی مطابقت کا بھی خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ کسی صفحے کے متن کا ترجمہ یا تشریح اس صفحے سے متجاوز نہ ہو۔

۹.....جدید مروجہ علامات ترقیم لگانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔جس کی وجہ سے عبارت پڑھنے اور عبارت کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو گئی ہے۔

۱۰.....متن اور ترجمے میں مکمل مطابقت کے لیے کوشش کی گئی ہے کہ کسی صفحہ کے متن کا ترجمہ یا تشریح اس صفحے سے متجاوز نہ ہو۔

۱۱.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ درود شریف، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی کے ساتھ کلمات ترضی اور دیگر علماء وفقہاء کے اسماء کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ لکھنے کا التزام کیا گیا ہے۔

۱۲.....مترجم کتاب کی تفصیلی فہرست مرتب کی گئی ہے؛ جس سے مسئلہ تلاش کرنے میں آسانی ہو گئی ہے۔

اس سعی وکوشش اور راحت رسانی کے باوجود ھدایہ کے امتحان میں طلبہ کرام فیل ہوں یا کم نمبر لیں تو اس پر اظہار ماتم کے لیے مرزا دبیر و میر انیس کے مرثیے بھی ہیچ ہیں۔

آغاز میں کلمات تبریک کے عنوان سے حضرت مولانا عبید اللہ خالد زید مجدہم کی تقریظ، مفتی سلمان عبد القیوم کے قلم سے پیش لفظ شامل ہے، جب کہ مترجم ہدایہ مولانا پروفیسر غازی احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے حالات پر مشتمل خود نوشت مضمون بھی شامل ہے۔